UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222128
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—391 29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقع اودھ

یہ وہ قصہ نہیں کچھ جھوٹی سچی جسمیں باتیں ہوں
بیاں پر درد ہی گذری ہوئی اگلی کہانی ہی

لکھنو میں مسلمانوں کی بادشاہت" ایک خیال تھا کہ دماغ مین آیا اور نکل گیا۔ ایک خواب تھا کہ پوری طرح دیکھنے بھی نہ پائے تھے جو آنکھ کھل گئی اور تعبیر پوچھتے پوچھتے بھول بھی گیا نہیں نہیں۔ ایک طلسم تھا۔ دم کے دم میں بنا اور ایسا بنا کہ جسکا ہر کارخانہ سامری کے جادو پر چشمک زن تھا اور پھر چشم زدن میں مٹا اور ایسا مٹا کہ کہیں نام و نشان تک باقی نہ رہا خدا جانے وہ کون لوگ تھے۔ کیا ساز و سامان رکھتے تھے جنھوں نے یہ طلسم بنایا تھا۔ ابھی بادشاہت کو مٹے آدھی صدی بھی پوری نہیں ہوئی۔ بہتیرے آدمی ابتک زندہ ہیں جو اپنے چشم دید حالات بیان کرتے اور "مستم از بادۂ شبانہ ہنوز" کی صدا سنا سنا کے روتے رلاتے ہیں۔ تاریخ کی کتابیں بھی کچھ نہ کچھ موجود ہیں جنہیں "ذکر جوانی در پیری" یاد دلانیوالے واقعات تھوڑے بہت قلمبند ہیں۔ لیکن زمانے کا رنگ ایسی جلد پلٹا ہو کہ زبانی روایتیں حکایتیں سنتے ہیں تو کوہ قاف اور راجہ اندر کے اکھاڑے کا سماں نظروں کے نیچے پھر جاتا ہو اور تاریخیں پڑھتے ہیں تو انہیں امیر حمزہ صاحبقراں کی داستان اور افراسیاب جادو کی نیرنگ سازی کا مزا ملتا ہو۔ عقل حیران ہوتی ہو کہ اتنی جلد یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی اور زمین آسمان کیونکر بدل گئے۔ دل قبول ہی نہیں کرتا کہ ابھی چالیس پینتالیس برس اُدھر اسی لکھنؤ میں مسلمانوں کی یہی نکبت زدہ قوم بہ

اقتدار وحکومت تھی اور گلی گلی کنچن برستا تھا۔ اس زمانے کے فرسودہ حال بڑی بوڑھوں سے پوچھتے ہین تو وہ اک آہ سرد بھرکے بس اتنا سنا دیتے ہین کہ "اریمیان وہ گلی کوچے ہی نہین رہی۔ وہ چلنے پھرنے والے ہی اُٹھ گئے زمانے نے نئی بساط بچھائی ہی۔ ہائے اسیر مرحوم کیا خوب فرما گئے ہین ؎

بڑھ گئی کھدرنے سے زیادہ اور شان لکھنؤ
لامکان ہی اندرون ہر اک مکان لکھنؤ

کہتے ہین جسطرح انسانون اور حیوانون کی زندگی کے کئی دورے ہوتے ہین بچپن شباب۔ جوانی۔ کہولت او شیخوخیت اُسی طرح ملکون سلطنتون۔ اور قومون کی بھی عمر ہوا کرتی ہی اور اُسمین بھی ایسے ہی دورے ہوتے ہین لکھنؤ کی بادشاہت کی بھی ایک عمر ہوئی پہلے بچپن ہوا۔ پھر شباب آیا۔ اور شباب کے آتے ہی جوانی کہولت۔ شیخوخیت۔ اور موت سبکا پیش خیمہ آگیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ؎

سنبھالے ہوش تو مرنے لگا حسینون پر
اُسے تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

کیا ہوا۔ اکثر دیکھا گیا ہی انسان جوش نوجوانی اور عنفوان شباب کی سرشوری مین ایسی بداعتدالیان کرگزرتا ہی کہ اُسیوقت سی طبیعت کو اک روگ لگ جاتا ہی پھر جب تک قدرتی بدن کا زور چلتا ہی ہشاش بشاش توانا وتندرست رہتا ہی۔ ادھر کہولت نے صورت دکھائی اُدھر دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی۔ امراض کا نرغہ شروع ہوگیا۔ پُروائی ہوا چلی اور پرانی چوٹ اُبھر آئی زخم پھر آئے ہوگئے ناسور پھر ٹپکنے لگا۔ بعینہ یہی حال لکھنؤ کی بادشاہت کا ہوا جو زمانہ عنفوان شباب کا تھا جب دل سے دیدے تک بہار آئی ہوئی تھی۔ ہر طرح کا

اطمینان تھا۔ رقیب و راہزن کا کھٹکا نہ تھا اور اسکا موقع تھا کہ ہمت اور اولوالعزمی اپنی جوہر دکھاتی۔ عادہ سلطنت کا بناؤ سنگار۔ کیا جاتا۔ اُسی وقت بد اعتدالیان بڑھین۔ بیخودی اور سیہ مستی نے اپنا رنگ جمایا۔ عیش و عشرت کے چرچے زیادہ ہوے صحبت کا رنگ بگڑا۔ اصحاب دانش و بینش کنارہ کش۔ ارباب نشاط مجرائیون مین داخل ہوے۔ شمع حیات نے صبح پیری کا انتظار بھی نہ کیا۔ سرِ شام ہی سے جھلملانے لگی۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ؎

روح قالب مین جو آئی تو قضا بھی آئی
شمع کے ساتھ ہی محفل مین ہوا بھی آئی

اگرچہ مسلمانون کی قوم کی ترقی و تنزل کی داستان ہر حصۂ دنیا مین سراپا حیرت اور سراپا عبرت ہی لیکن ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی اور اُسکے تمام شعبے تو نیرنگی زمانہ کے عجائب نمونے تھے۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ اور اسی قسم کے دوسرے شہرونمین ذرا جاکے کوئی پرانے آثار و نشانات دیکھے تو اُسے خود معلوم ہو جائیگا کہ یہ تباہی زدہ قوم اپنے وقتونمین کیا کچھ طلسمات باندھ چکی ہی۔

اللہ اللہ۔ یہ وہی مسلمان تھے جو سوکھی کھجورین اور جو کے ستو کھا کھا کے عرب کے جلتے بھنتے ریگستانون سے کشورکشائی اور ہفت اقلیم کی فرمانروائی کے پرچم اُڑاتے چلے تھے اُنھین کو بھائی بندون نے۔

"ز شیر شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجاے رسید است کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو"

کا طعنہ دیا تھا۔ خدا کی قدرت نے اُنھین خاک نشینون کو ایسے مرتبے پر پہونچایا کہ ایک طرف تو تخت کیانی اور درفش کاویانی پر قبضہ کیا اور دوسری طرف انھین طعنہ دینے والونکو دو

ایسے پڑھا دیے کہ جسکی برکت سے نیشاپور سے غریب الوطن اور تارک الدیار ہو کے نکلے تو اودھ میں وہ لطف اُٹھائے کہ جشنِ جمشیدی کا مزا بھول گئے۔ ؎

دعوتیں ہوئے سمرقندی و شیرازی تمام　　اسقدر الوانِ نعمت کے لگائے اُسنے خوان

تمام مورخین متفق ہیں کہ اودھ کے فرمانروا عجمی النسل تھے۔ اور اگرچہ اس عمارت کا بنیادی پتھر رکھنے والا ایک نجیب الطرفین سید تھا جو خانہ دامادی کا طعنہ سُنکے اور دل وجگر پر تیغ زباں کا زخم کھا کے وطن اور عزیزان وطن سے منہ موڑنے اور ہندوستان کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن اُسکا جانشین رجسے خانہ دامادی کی بدولت یہ عروج حاصل ہوا) شاہ بداغ کی اولاد تھا اور اسی کی آل اولاد پہلے نواب وزیر اور پھر بادشاہ بنکر سو سوا سو برس تک اس ملک کی ڈھائی تین کرور رعایا کی قسمتوں کا فیصلہ کیا کی۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ بااقبال غریب الوطن طالع ہمایوں لیکے دنیا میں آیا تھا کہ جسوقت زمانے کی بے مہری نے اُسے خانماں خراب کیا اسوقت ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی کا شیرازۂ جمعیت شکست ہو رہا تھا ظاہر فی الجملہ درست تھا مگر "درخت اقبال کی جڑ کو دیمک لگ چکی تھی" وہ پہونچا اور ایسے موقع سے پہونچا کہ دست و بازو کے زور و قوت اور دل و دماغ کے فطرتی جوہر دکھانیکے واسطے اُسے میدان صاف ملا۔ پھر تو تائید غیبی و مشیت ایزدی نے وہ رنگ دکھائے کہ اگر چشم بینا ہو تو اُس سے بہت کچھ سبق پڑھے۔

اگرچہ زمانے کے ظالم ہاتھ نے بادشاہ اور بادشاہت سب کا خاتمہ کر دیا۔ اور "ایک افسانہ بیکسی" کے سوا کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ لیکن دلوں کو گرمانے کیواسطے یہ عبرت خیز اور درد سرگزشت بلاکشاں" ابھی کچھ کم نہیں۔ اور اسی لیے راقم الحروف نے قصد کیا ہے کہ ذرا مختصر طریقے اس بحر کی پیدائش۔ اُٹھان اور لہلہاتی جوانی کی داستان حوالۂ قلم کردوں۔ شاید کسی اہل صبو

کو اُسکے دیکھنے سے عالم کی بے ثباتی اور شادی و غم دنیا کی ناپائداری کا حق الیقین ہو جاے اور وہ
اُس امتحان صبر و شکیبائی میں پورا اُتر جائے جسمیں ہم سب آئے دن مبتلا رہتے ہیں - کیونکہ ؎

رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

(۲) سلطنت کی ابتدا اور بنیاد[ف۱]

ماجرا ے نوجوانی عہد پیری میں نہ پوچھ
رنج ہوتا ہے اب اس قصے کو دہراتے ہوئے

گزشتہ صدی کا ابتدائی زمانہ تھا - آسیاے گردش ایام رفتار میں بجلی کی سرعت دکھا رہی تھی، بالائی ہند میں قسمت آزمائی کرنیوالے جانباز حباب آسا عالم فانی کی سطح پر سر اُبھارتے اور تلاطم امواج سے ساحل فنا کی ٹکریں کھا رہے تھے - خدا جانے کتنوں نے سر اُبھارا اور رہگئے سیکڑوں

[ف۱] اس تاریخی مضمون کے لکھتے وقت کتب مندرجہ ذیل پیش نظر رہی تھیں - اُنھیں کو اسکا ماخذ سمجھنا چاہیے -

۱ - قیصر التواریخ مصنفہ سید کمال الدین حیدر -

۲ - مرقع خسروی مصنفہ جناب شیخ عظمت علی صاحب کاکوروی -

۳ - تاریخ اودھ المسمی بہ "گلزار ہند" مصنفہ مسٹر اِروِن صاحب بزبان انگریزی -

۴ - کلکتہ ریویو جلد سیوم مضمون تاریخی بابت اودھ مرقومہ سر ہنری لارنس صاحب -

۵ - تفضیح الغافلین - بزبان انگریزی مترجمہ مسٹر ہوی صاحب -

۶ - تاریخ نادر العصر مصنفہ جناب منشی نولکشور -

۷ - رہنماے سیاحان لکھنؤ مصنفہ مسٹر اِٹن صاحب

۸ - مسلمانانِ ہند کے عادات و رسم مصنفہ مسز میر حسن علی

۹ - سیر و سیاحت مسز پنڈی صاحب -

۱۰ - بعض رسائل متعلق معاملات اودھ جو وقتاً فوقتاً انگلستان میں شایع ہوئے تھے

غنچے کھلنے بھی نہ پائے کہ مُرجھا گئے چند ایسے بھی نکلے جنھین یاوری بخت و سازگاری اقبال کی نسیم نے اپنے جھونکون سے شگفتہ کیا۔ دُنیا کی بہار دیکھی دکھائی۔

انھین بخت آزما جانبازو نین سیّد محمد امین نامی ایک مرد میدان تھے جنھون ذاودھ کے خاندان شاہی کی بنیاد ڈالی۔ یہ حضرت امام موسیٰ کاظم کی اولاد اور صحیح النسب سید تھے۔ انکے باپ میر محمد نصیر عرصہ ہوا نیشاپور سے ترک وطن کرکے ہندوستان آچکے تھے اور بہادر شاہ خلف ثانی اورنگ زیب عالمگیر کی ملازمت مین تھے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان مین مغلیہ سلطنت کی زر ریزی و گہر پاشی کی داستانین سُن سُن کے اسلامی دُنیا کے ہر گوشے سے پریشان حال اور تیرہ روزگار مسلمان ادھر ہی کا رُخ کرتے اور "یا قسمت یا نصیب" کی صدا دیتے اسی مُلک مین وارد و صادر ہوا کرتے تھے میر محمد نصیر صاحب بھی عسرت اور فلاکت سے حیران پریشان ہو کے گھر سے چلے تو بڑے بیٹے میر محمد باقر کو ساتھ لیکے ہندوستان مین داخل ہو گئے۔

چھوٹے صاحبزادے میر محمد امین خانہ دامادی کی عیش و تنعم کو چھوڑ کے آنا مناسب نہ سمجھے لیکن بعد چندے باپ کی برگشتگی بخت کا ورثہ بیٹے کو بھی ملا۔ طمانیت خاطر کے پھول سونگھتے سونگھتے طعن و تشنیع کا کانٹا چبھا عیش منغص ہوا۔ سامان راحت موجب صد زحمت ہوا۔ لذات نفسانی پر آلام روحانی نے شبخون مارا قصہ مختصر۔ بھرے پُرے گھر کو چھوڑ کے غریب الوطنی پر کمر باندھنا پڑی۔ ہندوستان کی راہ تو کھُلی ہوئی تھی۔ باپ کے نقش قدم پر چلکے یہ بھی اسی ملک مین وارد ہو گئے لیکن ہنوز منزل تک نہ پہونچے تھے راستے ہی مین تھے کہ باپ کے مرنے کی خبر ملی "انیم بالائے الم" سمجھ کے راضی برضا ہو گئے۔ اور تقدیر آلہی پر شاکر ہو کے ہمت نہ ہارے کچھ دن مختلف مقامات مین بسر کرکے آخر کار شاہجہان آباد پہونچ گئے۔ یہان اگرچہ شہنشاہی کے کارخانے

درہم برہم ہو چلے تھے پھر بھی ایسے ذی جوہر۔ سپاہی منش شرفا کے واسطے معیشت کے دروازے کھلے ہوئے تھے یہ بھی پہونچے تو بعض امرائے دربار کی قدر شناسی سے بے سر و سامان نہ رہے۔ چند ہی روز مین حیثیت آبرو سے درست ہو گئے مگر دماغ ہفت ہزاری لائے تھے زیادہ دنون تک کسی سے صحبت برآر نہو سکی۔ بالآخر دربار مین رسائی ہو گئی۔ اب فرخ سیر کا عہد تھا۔ جوہر شناس بادشاہ نے "بالاے سرش ز ہوشمندی * می تافت ستارۂ بلندی" پر نظر کر کے تواضع و تکریم سے ہاتھون ہاتھ لیا خلعت سرفرازی عطا فرمایا۔ اور پہلے باڈی گارڈ کا کماندار مقرر کر کے حلقہ بگوشی کی دستاویز پر تقرب و اختصاص کی مہر کی۔ پھر بعد چندے آگرے کا صوبہ دار کر دیا۔ یہ وقت تھا کہ سادات بارہہ دربار کے مالک سلطنت و شاہی کے مالک۔ بلکہ بادشاہ کے جسم و جان کے مالک ہو رہے تھے۔ سید عبد اللہ اور سید حسین علی دونون بھائیون کا طوطی بول رہا تھا۔ انکی ترقیون۔ سربلندیون پر عروج و اقبال بھی چشمک زن تھے۔ لیکن انجام بینی کی آنکھیں اندھی ہو چکی تھین محسن کشی اور ناسپاس گزاری جلادی پر کمر بستہ ہر وقت رفاقت مین تھین جنھیں یہ وفادار سمجھتے تھے وہی ظالم غدار نکلے۔ جنکو آنکھون کی پتلی بنا کے رکھا تھا وہی نور نگاہ کے دشمن ہوئے جنپر جان جاتی تھی انھون نے سچ مچ جان ہی لی۔ فرخ سیر کی جان گئی اور محمد شاہ نے سلطنت پائی۔ شاہانہ راحت طلبی کے روپیہ پر عیش و عشرت کا سکہ جما دن عید رات شب برات کا سمان نظر آیا۔ راگ رنگ سرور و انبساط کے نقار خانے مین معدلت پناہی اور فرمانروائی کے طوطی کی صدا کسے سنائی دیتی۔ کہان کی سلطنت کہان کی حکومت ع یہان دماغ نہ تھا خندہ ہائے بیجا کہ۔ بالآخر "کردنی خویش آمدنی پیش" کا ماجرا زیر نگاہ ہوا سادات بارہہ کا اقبال گھٹا۔ زوال بلکہ استیصال ہوا۔ لیکن نمک خوارون اور قدیمی

جاں نثاروں نے سازش کرکے دونوں کو زیر کیا۔ ایک ایک کرکے موت کے گھاٹ اُتار کہتے ہیں اس سازش میں میر محمد امین نے بہت جوہر دکھائے۔ خوب حق نمک ادا کیا۔ اور اُسکا صلا یہ ملا کہ سعادت خاں برہان الملک کا خطاب پایا۔

اگرچہ سادات بارہہ کے استیصال سے عیش پسند بادشاہ کو بہت کچھ آزادی و فارغ البالی نصیب ہوگئی لیکن ملک بھر میں جو طوائف الملوکی برپا تھی اُسکا کچھ علاج نہوا۔ نظم ونسق کی باگیں ڈھیلی ہوچکی تھیں اور بدلگام منہ زور جانوروں کی روک تھام آسان نہ رہی تھی۔ آئے دن ایک نہ ایک طرف سے تردد انگیز خبریں اور وحشت خیز اطلاعیں دربار میں پہونچتیں اور راحت میں خلل ڈالتیں۔ ابتری و بےامنی کے چرچے عیش منغص کرتے عین اسی زمانے میں صوبہ اودھ سے شیخزادگان لکھنؤ کی شورہ پشتی۔ وسرکشی کی خبریں پیاپے پہونچنے لگیں اور ان گرماگرم رپورٹوں کو سُنتے سنتے آخرکار اُسکے تدارک پر توجہ ہوئی اور یہ تجویز ہونے لگی کہ کون مرد میدان وہاں بھیجا جائے۔ جو تسلط بٹھائے اکھڑی ہوئی حکومت جمائے۔ الٹی ہوئی بساط پھر بچھائے۔ اتفاق یہ کہ جو حریفان غماز اس جانباز سید کی ترقی جاہ ومنصب سے ہر وقت خار درجگر رہتے تھے اُنکے دلوں میں یہی سمائی کہ کسی طرح اُسے "از دیدہ دور۔ ز دل دور" کرکے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ یہی حیلہ نکال کے سب نے اپنی ہمت اسی پر مصروف کردی کہ کسی طرح برہان الملک ہی کو یہ خدمت تفویض ہوجائے۔ جوڑ توڑ لگائے سازشیں کیں اور آخرکار کانٹا سمجھکے دربار سے نکالا لیکن۔ خدا کی مشیت کون جانتا تھا۔ اور یہ کسے خبر تھی کہ یہی کانٹا کبھی گلدستہ رنگارنگ کی مہک گلشن ہستی میں پھیلائیگا۔ خرابے میں چمن زار کھلائیگا اور زمین شور میں سنبلستاں کی بہار دکھائیگا سچ ہے۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

برہان الملک کو صوبہ داری ملی۔ اور اودھ کے سرکش و سرہنگ زمینداروں کے قلع قمع کرنے اور شیخزادگان لکھنؤ کے مطیع و منقاد بنانے کی مہم سپرد کی گئی مگر اس بے سروسامانی کے ساتھ کہ نہ فوج دی گئی نہ نقد و جنس یا سامان حرب سے کوئی اعانت کی گئی لیکن تقدیر الٰہی میں تو یہی لکھ جا چکا تھا کہ یہ مہم وہی سر کریگا اور اسی مہم سے اُسکے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہونچیگا۔ لاکھ نفرا حمتیں کوئی پیش کرے کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ باوجود اس بے سروسامانی کے اس مرد میدان نے ہمت نہ ہاری۔ اپنی ہی قوم مغلیہ کے سقیم الحال بیکاروں کی ایک فوج بھرتی کی۔ امیدوں کا سبز باغ دکھایا۔ انعام اکرام کے وعدوں سے جی بڑھایا۔ یہ لوگ زندگی کی کلفتوں سے تنگ اور معیشت کی فکروں سے جاں بلب تو تھے ہی اتنا سہارا پاکے اُٹھ کھڑے ہوے۔ اچھی خاصی فوج بھرتی ہوگئی اور فوج بھی کیسی کہ جسکا ایک ایک متنفس ہر وقت مارنے مرنے پر کمربستہ۔ جان ہتیلی پر لیئے ہوے۔ پھر بیطرح ساز و سامان حرب و ضرب کی فراہمی کا عقدہ بھی ناخن تدبیر سے کھلوالیا۔ اور کوچ بولدیا۔ میانِ راہ اکبرآباد کٹھیرا اور فرخ آباد ہوتے ہوے۔ اور ہر مقام کے صوبہ داروں سے دعوت و مدارات کے عوض سامان جنگ اور آئین اخلاق و مہمان نوازی رسمی کے بدلے صلاح و مشورہ مناسب وقت لیتے ہوے اودھ پہونچے۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ ان سب میں صوبہ دار فرخ آباد نے زیادہ حق دوستی ادا کیا وہ بوجہ قربت ہمسائگی اودھ کے حالات اور شیخزادگانِ لکھنؤ کے تمرد اور جبروت و سطوت سے واقف تھا اُسنے صلاح دی کہ یوں تحت اللفظ بے سیاق نہ چلے جانا۔ پہلے ذرا نواح کے قصبات میں سکہ بٹھانا۔ وہاں کے رئیسوں بشرفیوں سے راہ و رسم پیدا کرنا

اُنکو اپنے سے ملانا اور ایسا برتاؤ کرنا کہ ضرورت کے وقت وہ تمھاری حمایت کر سکیں۔
کیونکہ یہ لوگ ساتھ دینے پر جلد اُٹھ کھڑے ہونگے۔ بات پتے کی تھی۔ دل میں بیٹھ گئی
نواب نے اسی پر عمل کیا۔ پہلے قصبہ کاکوری میں داخل ہوئے۔ یہاں کے شیوخ اہل
لکھنؤ کے سراسر خلاف اور انکی شرارتوں سے بہ تنگ تھے۔ نواب کا آنا اپنا مزید اقبال
سمجھے اور شریک صلاح دولت نواب ہوئے۔ سب طرح کے نشیب و فراز سے آگاہ
کر دیا۔ گھاتیں بتائیں۔ نیک راہیں سمجھائیں۔ قصہ مختصر نواب لکھنؤ میں داخل اور
بڑی آن بان سے داخل ہوئے۔ نہ مقابلہ ہوا۔ نہ صف آرائی کی نوبت آئی۔ ابھی چند
کچھ زور شمشیر اور کچھ حسن تدبیر سے تمام صوبے پر تسلط تام ہو گیا۔ سرکش زیر۔ سرہنگ
پامال ہوئے انتظامات کی چول بیٹھی۔ مالی ملکی آئین درست ہوئے۔ بد نظمی دور بے امنی کا فور
ہوئی۔ اسے نواب کا اقبال سمجھو یا کارگزاروں کی حسن کارگزاری۔ کہ وہی صوبہ جسکی
نادہند اور سرکش رعایا نے کبھی صوبہ کی جمع سرکاری ستر لاکھ سے بڑھنے نہ دی پہلے ہی
سال بلا جبر و اکراہ ایک کرور سات لاکھ وصول ہوا۔ اور آخر آخر میں تو جاگیرات
معافیات ملا کے دو کرور کے قریب تحصیل ہو گئی۔ نیت بخیر تھی۔ تو کام بھی اچھے بن پڑے
اور انجام بھی نیک ہوا۔ اقبال بھی یاور تھا کہ جس معرکے میں گئے فتحمند لوٹے۔ جس مہم
کو سر لیا سر کرکے چھوڑا۔ باجی راؤ مرہٹہ کا کالپی کے مقام پر مقابلہ اسکا شاہد ہے کہ
اُدھر لاکھوں کا دل بادل ادھر صرف چودہ ہزار سوار۔ اور پھر فتح کا سہرا نواب ہی کے سر رہا
مرہٹے پسپا اور شکستہ دل ہوکے میدان سے نکل بھاگے۔ اسیطرح نواب کی نادر
صائب کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نادرشاہ کے معاملے کو دو کرور روپیہ پر طے کر لیا تھا
معاملہ انہیں کی نیچی بات بالا رکھنے والوں نے رخنہ ڈالا۔ معاملہ بگاڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بائیس کرور

زرنقد۔ نوے لاکھ کے جواہرات اور مزید براں شاہجہاں کی جان تخت طاؤس اور اُسی کے ساتھ دریاے نور اور کوہ طور دونوں ہیرے بھی گئے اور خزانۂ ہند بے چراغ کر گئے۔ طرہ یہ کہ غمازوں نے اُلٹی گنگا بہائی۔ بھولے بھالے بادشاہ کا دل نواب سے آزردہ کیا۔ دونوں طرف دلوں میں کدورت نے راہ پائی۔ آئینۂ خاطر زنگ آلودہ ہوگئے نواب کو اسکی تاب کہاں تھی۔ گھبرا گھبرا کے دعا مانگنے لگے کہ "الٰہی عزت آبرو کے ساتھ جلد خاتمہ بخیر کیجیو۔ آخر دعاے سحرگاہی اور نالہ ہاے نیم شبی نے رنگ دکھایا۔ داعی اجل کو لبیک کہی سنہ ۱۱۵۱ہجری کا چل چلاؤ یعنی ذی الحجہ کی آخری تاریخ تھی کہ بصد حسرت دنیاے عاجز اور اہل دنیا کے ہاتھوں پریشان ہو کے عالم جاودانی کی راہ لی۔

نواب برہان الملک کے محاسن اخلاق کے بیان میں سب مورخ رطب اللسان ہیں۔ انگریزی مورخ بھی مانتے ہیں کہ برہان الملک نے اودھ میں بہت انتظامات قایم کیے زیردستوں کو زبردستوں کے آزار سے پناہ دی اور غریب رعایا کو سنگدل زمینداروں کے جور و جفا سے گلو خلاص کیا۔ اور وہی پہلا شخص تھا جسنے یہ منصوبہ باندھا کہ اودھ میں ایک مستقل حکومت کسی وسطی مقام پر قایم کرنا چاہیے۔ اور غالبًا ایسا ہی کوئی منصوبہ تھا جس کی وجہ سے اجودھیا اور لکھنؤ میں انکا زیادہ تر قیام ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ اودھ کی صوبہ داری ملنے کے بعد بھی دربار کی سازشوں اور پولیٹکل پیچیدگیوں میں بہت کچھ حصہ لینا پڑتا تھا۔ مگر حتی الامکان نواب نے اپنی تمام تر ہمت اپنے صوبہ کی ترقی اور وہاں کی رعایا کی فلاح و بہبود پر مصروف رکھی۔ چنانچہ جسقدر اس ملک کے لوگ نواب سے مانوس اور انکے گرویدہ ہوگئے تھے اتنا کسی سے نہوے۔ نواب نے اپنے مرنے پر خزانہ مالا مال چھوڑا۔ جسکے بابت ایک منصف مزاج مورخ کا بیان ہے کہ "ممکن ہے

کہ یہ خزانہ رعایا سے بجبر و تعدی وصول کرکے بھر اگیا ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ جو کچھ وصول کیا گیا تھا۔ امیروں دولتمندوں سے وصول کیا گیا تھا۔ غریبوں فاقہ کشوں کے منہ سے نوالہ چھینا نہیں گیا"۔ خیر۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

نواب برہان الملک نے کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ اسلیے اُنکے مرنے پر اودھ کی صوبہ داری کے دعویدار ادھر تو شیر جنگ (بھتیجے) اودھر صفدر جنگ (بھانجے اور داماد) اُٹھ کھڑے ہوے۔ ایک نے اسلام کا قانون وراثت اپنے حق کے مرجح ثابت کرنے کو پیش کیا۔ دوسرے نے برہان الملک کے برتاؤ اور اپنی سابقہ جاں نثاریوں کو وسیلہ گردانا۔ دونوں طرف سے سازشیں ہونے لگیں۔ حتے کہ شیر جنگ نے نادرشاہ کا دامن تھاما لیکن صفدر جنگ کی پیشانی پر کاتب تقدیر نے اقبال ہی اقبال لکھدیا تھا۔ اُسی کی بات بالا رہی اور اُسکے دعوے کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔

نواب برہان الملک کے عہد حکومت میں اس صوبے کے حدود یہ تھے۔ جنوباً الٰہ آباد سے دریائے گنگ اور شمالاً دریائے راپتی۔ شرقاً عظیم آباد غرباً شاہجہان آباد۔ کل رقبہ ۲۳۹۶۲ میل

(۳) عہد حکومت ابوالمنصور خاں صفدر جنگ

اصلی نام مرزا محمد مقیم تھا۔ برہان الملک کے بھانجے اور جعفر خاں بیگ کے بیٹے۔ قوم قراترکمان سے تھے۔ چھ مہینے کے تھے کہ ماں کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ بعد کو نانی نے یتیمی کے خیال سے اپنا دودھ پلا کے پالا۔ بھلا اسوقت نیشاپور میں کسے یہ تصور ہو سکتا تھا کہ یہ بچہ ایسے فرخندہ طالع لیکے آیا ہوگا کہ کسی زمانے میں میر تیموری و بابری اولاد کی دستیاری کریگا اور اُسکے ہاتھ مملکت ہندوستان کی پھیکی شطرنج پر معرکے کی چالیں کھیلی جائینگی لیکن

جسوقت گلشن ہستی میں یہ شگوفہ کھلا تھا۔ اُسیوقت قضا و قدر کے محکمہ سے یہ حکم محکم جاری ہوچکا تھا کہ اس کے زائچہ میں ماموں کے زائچے سے زیادہ نیک ستارے اکٹھا کردیے جائیں۔ وزارت اور بادشاہت سب کچھ لکھدیا جائے۔

ابتدائی حصۂ زندگی جیسی کچھ افسردہ دلی اور پریشاں خاطری سے گزرا ہوگا اُسکا پوچھنا کیا ہی۔ نانا اور ماموں فکر معیشت سے تنگ ہوکے آوارہ وطن ہوے۔ خالہ کے دودھ نے جان بچائی۔ دائی تک میسر نہ تھی لیکن ادھر بچہ کے دماغ میں باغ نوجوانی کی بو بہو پہنچنے لگی۔ ادھر ہندوستان سے ماموں کی شمیم اقبال کی مہک گھر بھر کو خوش دماغ بنانے لگی۔ برہان الملک کے اقبال و دولت کی جوانی بھانجے کے شباب سے معاصر ہوئی۔ برہان الملک نے بہن اور بھانجے کو ہندوستان بلا بھیجا اور اپنی بیٹی صدر جہاں بیگم سے شادی کرکے بھانجے کو عروس سلطنت سے وابستہ کردیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے خانہ داماد سلطنت بنا دیا۔ پھر دربار میں تقریب کرکے خطاب بھی دلوا دیا۔ اور کچھ خدمتیں بھی سپرد کرا دیں۔ جسطرح نواب برہان الملک کے وقت میں نادرشاہ کا حملہ پیش آیا تھا۔ اُسی طرح صفدر جنگ کے وقت میں احمد شاہ ابدالی کا ہنگامہ درپیش ہوا۔ برہان الملک کا ستارۂ اقبال اسوقت [illegible] لگا تھا اسوجہ سے اُنکے ہاتھوں کام سر نہو سکی۔ برخلاف اسکے صفدر جنگ کا ڈیرے اقبال [illegible] پر تھا جب یہ ہنگامہ اُٹھا۔ اگرچہ حاسدوں [illegible] نے بہتیرا چاہا کہ وہ اس معرکہ سے الگ تھلگ رہیں مگر سچ ہے

چراغی را کہ ایزد بر فروزد کسی کو تف زند ریشش بسوزد

خدا کی مشیت تو یہ تھی کہ اسی معرکہ میں صفدر جنگ کی سرفروشی اور جاں نثاری کے جوہر آشکارا ہوں۔ اقبال منہ دیکھاے۔ جادہ حشم زیادہ ہوچکا تھا کہ شاہزادہ احمد شاہ کی رفاقت

میں یہ بھی میدان جنگ میں تھے۔ اور اپنی دلیری و جاں بازی سے شاہزادے کا دل ہاتھ میں لے رہے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ نواب نے فقط اپنی فوج مغلیہ سے بڑی جوانمردی سے معرکہ آرائی کی اور ابدالی کو شکست دی۔ اسی لڑائی میں نواب کی بائیں آنکھ میں تیر لگا۔ آنکھ جاتی رہی اور حدقہ چشم میں بلوری آنکھ رکھنے لگے۔ بعد فتح و فیروزی شاداں و فرحاں دہلی آ رہے تھے کہ پانی پت کے مقام پر رنگیلے بادشاہ کے مرنے کی خبر سنی۔ اور صبح کو جرأت شاہزادے کے حضور میں حاضر ہو کے تخت و تاج کی مبارکباد دی۔ کہتے ہیں۔ اسوقت تاج نہ ملا تو بانس کی تیلیوں کا تاج بنا کے اس میں جواہر ٹانکے۔ موتیوں کی جھالر لگائی۔ اور اپنے ہاتھ سے شاہزادے کے سر پر رکھا۔ مبارک سلامت کا غل مچا۔ شاہزادے کے منہ سے مسرت کے جوش میں بے اختیار نکل گیا کہ "ہمیں سلطنت تمھیں اسکی وزارت مبارک" نواب نے نذر دکھائی۔ آداب شکریہ بجا لائے اور جلد جلد سفر کر کے شاہجہاں آباد داخل ہوگئے تقدیر کے کارخانے دیکھو کہ ابدالی کے معرکے میں دربار کے بڑے مقرب اور سرکار کے بڑے جاں نثار نذر اجل ہو چکے تھے صفدر جنگ کے واسطے میدان خالی تھا۔ دہلی پہونچتے ہی پہلے میر آتش یعنی افسر توپخانہ کا عہدہ اور بعد چندے ۱۱۶۱ھ میں وزیر الممالک کا خطاب اور اس عظیم الشان شاہنشاہی کا قلمدان وزارت ملگیا۔ ماموں نے جس بات کی تمنا میں جان دی۔ بہت کچھ پاپڑ بیلے۔ اور نہ ملی۔ بھانجے کو بے کوشش بیٹھے بٹھائے باتوں باتوں میں ملگئی۔ اب وہ صوبہ داری کا لقب اٹھ گیا اور اسکی جگہ نواب وزیر اودھ کہا جانے لگا

صفدر جنگ کا زمانہ اودھ کیواسطے سکون و اطمینان کا زمانہ نہ تھا۔ دربار کے کاروبار سے بہت ہی کم ملتی کہ اسطرف توجہ کیجاتی۔ یہی کہ ایکبار چند روز کیواسطے اودھ پر احمد خاں بنگش نواب فرخ آباد اور اسکے ساتھی پٹھانوں کا حملہ دخلہ ہوگیا۔ اور جب صفدر جنگ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ سوبح مل

جاٹ (سردار بھرت پور) کو ساتھ لیکے دہلی سے چلے۔ لیکن احمد خاں نے جمعیت قلیل سے ہزیمت دیدی۔ صفدر جنگ کو ناشاد و نامراد پلٹنا اور صوبے کو پٹھانوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا پڑا۔ لیکن ادھر تو پٹھانوں میں باہم خود ہی مناقشات شروع ہو گئے۔ جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ ادھر صفدر جنگ نے ملہار راؤ کو بسر کردگی اسی ہزار مرہٹے کے ایک کرور کا وعدہ دیکر ساتھ لیا اور اسکے بل پر یلغار کر دی اس جمعیت کثیر کے مقابلہ کی تاب و طاقت پٹھانوں کو کہاں تھی۔ بھاگ نکلے۔ اور صفدر جنگ کی حکومت کا نقشہ پھر اودھ کی بساط پر جم گیا لیکن بعد چندے بعض واقعات ایسے پیش آئے جنسے حریفان غماز کو موقع ملگیا اور انھوں نے بادشاہ کو نواب سے برانگیختہ کر دیا۔ ایک خواجہ سرا کے قتل کی شرکت کا جرم قائم کر کے ایسے معتمد الدولت رکن رکین سلطنت کو نظروں سے گرانا چاہا۔ اسوقت اگر اتنی ہی عقلیں درست ہوتیں کہ قاتل و مقتول کی جانوں کی قدر شناسی کی جاتی تو سلطنت ہی کیوں جاتی۔ اندھا دھند کا زمانہ تھا جسنے جو چاہا لگائی بجھائی کر دی۔ اور جس جان نثار، یار وفادار کو چاہا نظروں سے گرا دیا۔ جب صفدر جنگ نے دربار کا رنگ بدلا دیکھا۔ بادشاہ کی آنکھ پھری پائی۔ آشفتہ و دلگیر ہو کے اپنے صوبہ کی راہ لی۔ اور آخر عمر کے ۱۵ برس فیض آباد میں بسر کیے۔ اب زمانہ وہ آگیا تھا کہ ہر طرف صوبہ دار تمرد اور سرکشی پر آمادہ ہو رہے تھے۔ ہر فرعون بے سامان انا ولا غیری کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔ مرہٹے۔ جاٹ اور سکھ انانیت سے مست ہو کے اسطرح شورش کر رہے تھے جیسے جسم بھر میں پھوڑے پھنسی۔ امن و امان کے دشمنوں نے پیاسے بادشاہ کی زندگی تلخ کر دی اور آخر جب کھرے کھوٹے کا حال کھل گیا۔ مرغان دست پرور کی بے مہری و طوطا چشمی کے جوہر آشکارا ہو گئے تب بادشاہ نے صفدر جنگ کو یاد کیا کہ مع جملہ فوج قاہرہ لیکے حاضر ہو۔ کو رنگ بدخواہوں نے جان بلب کر رکھی ہے۔ لیکن صفدر جنگ کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ جاں نثاری نے کئی بار اکسایا کہ چلنا چاہیئے مگر مرض الموت نے ہر مرتبہ قدم پکڑ لیے کہ وہ ابھی کہاں چلےؔ عه چنانچہ ۱۷۵۴ء

عه پچارے کا طرح پیٹنا

اکتوبر کا مہینہ تھا کہ اسی عارضے میں انتقال کیا جو ماموں سے صوبہ داری کے ساتھ وراثۃً ملا تھا۔

اودھ میں صفدر جنگ کی یادگار فیض آباد ہے۔ اسکی بنیاد تو برہان الملک ہی ڈال گئے تھے۔ لیکن اُسکی ساری آبادی صفدر جنگ کے دم قدم سے ہوئی۔ لکھنؤ میں بھی گومتی کا پرانا پل صفدر جنگ ہی نے بنوانا شروع کر دیا تھا ناتمام رہا۔ آصف الدولہ کے ہاتھوں انجام کو پہونچا۔

(۴) شجاع الدولہ بہادر

انکا اصلی نام جلال الدین محمد مرزا اور پورا خطاب شجاع الدولہ بہادر ابو المنصور خاں بہادر جنگ فدوی احمد شاہ بادشاہ تھا صفدر جنگ کے بیٹے اور برہان الملک کے نواسے تھے ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ہوئی ہے

زہے شکرانہ نواب منصور — برآمد آفتاب از مطلع نور
۱۱۴۴ھ

ابتدائی عمر شاہزادگی کی شان سے بسر کی ۱۱۶۶ھ میں مطابق ۱۷۵۴ء بائیس برس کے سن شباب میں مسند نشین وزارت ہوئے کچھ ملک جوانی کچھ حکومت کا نشہ طبیعت میں مے دو آتشہ کا زور تھا۔ اُسپر مغلیہ سلطنت کے روز افزوں تنزل و تباہی کو دیکھکے یہی سوچے کہ بہتے دریا میں ہاتھ دھو لینا چاہیے کشورکشائی کا حوصلہ پیدا ہوا ہمت عالی اور عزیمت بلند نے نچلا بیٹھنے نہ دیا۔ اتفاق یہ کہ اس زمانے میں عالمگیر ثانی تخت دہلی پر جلوہ فرما تھے اور غازی الدین وزیر کے ظلم و ستم سے تنگ ہو کے شہزادہ علی گوہر ولیعہد سلطنت اپنی جان چھپاتے پھرتے تھے ۱۷۵۸ء میں شجاع الدولہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے شہزادہ کی دلجوئی کی اور تسلی دی محمد قلی خاں سے ساز کیا اور دونوں نے ملکے شہزادے کی رفاقت میں بنگال پر حملہ کیا لیکن یہاں انگریزوں کا سال بھر سے (یعنی فتح پلاسی کے بعد سے) عمل دخل تھا۔ ولیعہد بادشاہ تو ان اذکار سے منحرف و نہرک تھے ادھر پایہ تخت کا یہ حال تھا کہ نجیب الدولہ اور مرہٹے دہلی کو گھیرے پڑے تھے خلقت دم گھٹی جان بلب تھی اور بادشاہ سلامت کے ارکان دولت بالکل وقف یاس ہو رہے تھے۔ آخر کار ع مردے از غیب برون آید و کارے بکند کا ماجرا ہوا یعنی احمد شاہ درانی نے یہ حال دیکھ کے پھر دہلی پر بس

بادشاہ کی ہمدردی کی اور اپنی فوج سے مرہٹوں کا مقابلہ کرنا چاہا - چنانچہ پانی پت کے میدان
مین ہنگامہ کارزار گرم ہوا شجاع الدولہ کی نخلی طبیعت - جوانی کے زور - رفاقت و ہوا خواہی
کے جوش سے بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے آڑے وقت آنکھ چرا جائین - یہ بھی اپنے لاؤ لشکر
سمیت میدان مین ہو پہنچے - اور شجاعت کے جوہر دکھانے لگے - ہنوز یہ قضیئے طے نہین ہوے
تھے کہ نومبر ۱۷۵۹ء مین عالمگیر ثانی کو وزیر الممالک نے شہید کر ڈالا - پانچ چھ دن تک ٹہی
گڑ بڑ مچی رہی تخت سلطنت خالی رہا - بالآخر شہزادہ علی گوہر شاہ عالم بنکے سریر آرائے
سلطنت ہوے - اور شجاع الدولہ کو وزارت کی کرسی ملی - شجاع الدولہ کی بلند حوصلگی کیواسطے
اب بڑا میدان ملگیا - نئی بساط بچھی - نئے مہرے قائم ہوے - نئی چالین کھیلی جانے لگین
اتفاق یہ کہ اب شطرنج کھیلنے والون مین ایک نیا فریق پیدا ہو گیا تھا - یہ انگریز تھے جنھون
نے بنگال کی سرزمین مین ہلچل ڈال رکھی تھی - پلاسی کی لڑائی مین انگریزی اسلحہ کے جوہر
جو کھلے تو ایسے کھلے کہ بہتیرونکی آنکھونکو چکا چوندھ لگ گئی - اس ہنگامے نے ہر خفتہ و بیدار
کو خبردار کر دیا اور اب پیر رقابت کی کڑی نگاہین سب طرف سے پڑنے لگین - شجاع الدولہ
کی نئی نئی امنگ کے دیکھتے یہ کچھ بعید نہ تھا کہ انھون نے بھی ابتداءً انگریزون کو اچھی نگاہ
سے نہ دیکھا - وہ خود دلمین ہزارون منصوبے باندھے ہوے تھے - انھین سنگ راہ دیکھی
ضبط نہو سکا سمجھے لاؤ پہلے انھین کا وارا نیارا کر ڈالین - ادہر نواب قاسم علیخان انگریزون سے
چرکا کھاکے جو چلے تو شجاع الدولہ کو مرد میدان سمجھکے انھین کیطرف مڑے - یہ تو ایسا موقع خدا سے
چاہتے تھے - فوراً حمایت و سرپرستی پر رضامند ہو گئے - مستزاد یہ کہ شاہ عالم بھی انھین سے
شریک حال ہو گئے اور شہ دینے لگے - القصہ ایک مدت تک ہنگامہ جدال و قتال بمقام پٹنہ
گرم رہا - دونون طرف سے دلیران جانباز نے داد شجاعت خوب دی لیکن فتح و شکست

امور تقدیری ہین - اور محکمۂ قضا و قدر سے انگریزون کے خورشید اقبال کا طلوع اسی مطلع سے مقدر ہو چکا تھا - اتحاد ثلاثہ نے لاکھ زور مارے - بجد جد و کد کی لیکن تثلیث کے ماننے والون کی یکتائی اپنا کام کر گئی - بکسر کے مقام پر سارا بھرم جاتا رہا - انگریز غالب و فتحمند میر قاسم اور شجاع الدولہ مغلوب و ہزیمت خوردہ ہو گئے - قسمت کی نیرنگی تھی کہ قلت نے کثرت پر فتح پائی - یکہ و تنہا نے دوہری تہری چوٹین بجائین - اور سب کو میدان سے بھگا دیا - خیر - جنگ کا جو انجام ہوا وہ ہوا - شجاع الدولہ پھر بھی گھاٹے مین نہ رہے - انھین تین سو اسّی[۳۸۰] ہاتھی جن پر مرشد آباد کی صدہا برس کی کمائی بار تھی - خزانہ - زر و جواہر - اشرفیان - اور خدا جانے کیا کیا نفائس تھے ہاتھ لگ گئے - مورخین کا بیان ہے کہ جب شجاع الدولہ شکستہ دل ہو کے بکسر سے لوٹے تو بیوی بچون کو بخشی[۱] الممالک کی حفاظت و حراست مین چھوڑ کے آپ جریدہ بریلی ہوتے ہوئے نواب احمد خان بنگش پاس فرخ آباد پہونچ گئے - اگرچہ احمد خان بنگش کے دل مین صفدر جنگ کے وقت کا کینۂ دیرینہ باقی تھا - لیکن شجاع الدولہ کو اسطرح مضطر و سراسیمہ اور طالب ہمدردی و اعانت دیکھکے انھون نے شان ریاست دکھائی - دل کھول کے ملے - تواضع تکریم سے پیش آئے اور یہ صلاح دی کہ انگریزون سے صلح و آشتی کرنا اور بہ لطف و مدارا پیش آنا چاہیئے - چنانچہ شجاع الدولہ نے اسے قبول کیا اور اس باب مین ریشہ دوانی شروع کی آخر کار ۱۷۶۸ء مین بمقام بنارس ایک عہدنامہ انگریزون سے ہو گیا جسکی رو سے یہ طے پا گیا کہ نواب اور کمپنی دونون ایک دوسرے کے معین غمخوار و غمگسار ہو جائین - ایک کا دوست دوسرے کا دوست ہو اور ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن - نواب اپنی فوج کی تعداد صرف پینتیس[۳۵] ہزار سوار کر دین جسمین دس ہزار پیدل پانچسو توپخانہ والے اور ساڑھے نو ہزار بقاعدہ جمعیت - اور اسمین صرف پیدل فوج کی ترتیب[۱] و ہتھیار یورپین ہون اس عہدنامے سے شجاع الدولہ کے دوستانہ تعلقات انگریزی کمپنی سے

لے انکا پورا خطاب مظفر الدولہ بخشی الممالک ابو البرکات خان نصرت جنگ تھا - یہ قصبہ کاکوری کے رہنے والے اور راقم کے اجداد مین تھے مولف

قائم ہو گئی برا کھڈ کا مٹا دل مطمئن ہو گیا۔

۱۷۷۲ء مین مرہٹون نے روہلکھنڈ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ شجاع الدولہ بھی بوجہ ہمسائگی و قربت ایسے معاملات مین خاموش کیونکر رہسکتے تھے۔ انھون نے فوراً روہیلون سے ساز کیا۔ کمک کیواسطے زبان دی۔ اور یہ قرار پا گیا کہ مرہٹے آ پہونچے تو ادہر سے مقابلہ کا پورا سامان ہوگا۔ لیکن چالیس لاکھ روپیہ بھی دینا ہوگا۔

۱۷۷۳ء مین ایک نیا شگوفہ کھلا کسی رقیب امن وعافیت نے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کو شجاع الدولہ سے بدظن اور مشکوک کر دیا۔ وہ گھبرا کے بنارس چلے آئے اور شجاع الدولہ سے ملاقات کی آرزو ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ یہ بھی بنارس پہونچے ملاقات ہوئی۔ ملاقات ہوتے ہی طرفین کے آئینۂ خاطر صاف ہو گئے۔ کدورتین مٹ گئین۔ اور ایک جدید عہدنامہ ہو گیا جسکی رو سے یہ طے پا گیا کہ الہ آباد اور کوڑا کے ضلع جو شاہ عالم کو اسلیئے دے رکھے گئے تھے کہ عزت آبرو سے زندگی بسر کرین۔ اور بادشاہت کی پگڑی سنبھالے رہین اب اُنسے لیلئے جائین کیونکہ وہ بالکل کٹھ پتلی کیطرح مرہٹون کے ہاتھ مین دے رکھے ہین۔ اور پھر یہ اضلاع نواب وزیر کو تفویض کر دیئے جائین اور وہ اُنکے معاوضہ مین پچاس لاکھ روپیہ کمپنی کے نذر کرین۔ یہ بھی اسی معاہدے مین طے ہو گیا کہ اخراجات فوجی کیواسطے دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار کمپنی کے خزانے مین داخل ہوا کرے۔ جس سے دو یوروپین اور چھ سپاہیونکی پلٹنین اور ایک کمپنی توپچیون گول اندازون کی اودھ کی اعانت اور کمک کیواسطے ہر وقت طیار رہی۔ شجاع الدولہ نے یہ سب شرطین منظور کر لین۔ زیادہ تر اسوجہ سے کہ اب اس زمانے مین روہیلون سے کسیقدر آن بن ہو چلی تھی اور شجاع الدولہ کا منصوبہ یہ تھا کہ اُنکو پامال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انھون نے وارن ہیسٹنگز سے اپنا مکنون خاطر ظاہر بھی کر دیا۔ اور کہدیا کہ روہیلے اتادے پر حملہ کرنے والے ہین۔ لہذا اُنکی روک تھام کرنا ضروری ہے۔

پھر مرہٹون کے معاملہ مین جو چالیس لاکھ روپیہ انپر واجب الادا ہی وہ بھی ہنوز وصول نہین ہوا ہی۔ لہذا اگر ایک گیلیٹہ انگریزی فوج کی ملجاے تو وہ دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار بخوشی دیا کرینگے۔ وارن ہیسٹنگز نے بھی اسے مصلحت وقت جانکے قبول و منظور کرلیا۔ اسی عہدنامے کی روسے یہ بھی قرار پاگیا کہ ایک انگریزی رزیڈنٹ دربار اودھ مین رہا کرے۔ اس عہدنامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ روہیلون سے لڑائی چھڑ گئی۔ اگرچہ اس جنگ وجدل کے نتیجے شجاع الدولہ کے حق مین زیادہ اہم نہین ہوئے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ روہیلے جو اپنی بہادری پر نازان سرفروشی پہ ہر وقت کمربستہ اور جاہلانہ جوش شجاعت سے ہمیشہ مست و بیخود رہتے تھے نیچا دکھے گئے پست پڑگئے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ تباہ و برباد ہوگئے۔ حافظ رحمت خان مارے گئے اور اُن کے زن و فرزند بلا مین مبتلا ہوگئے۔

ہنوز روہیلکھنڈ کے معاملات زیر بحث تھے۔ فتح کی مسرت کا آوازہ بلند تھا کہ مرض الموت نے منہ دکھایا۔ ایک مہینے تک زندگی اور موت کی کشاکشی رہی۔ ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو جھگڑا ابھی طے ہوگیا۔ موت نے زندگی کو شکست دی۔ اور ۴۶ برس کے سن مین شجاع الدولہ کو بھی وہی دن دیکھنا پڑا جو بہتیرون نے دیکھا ہو اور ہر انسان کو ایک نہ ایک دن دیکھنا ہی۔ شجاع الدولہ کے مرنے سے اودھ کی ترقی اور وسعت کا ایک دور ختم ہوگیا۔ کیونکہ ابھی تک حکمرانان اودھ کی ہمت توسیع مملکت ترقی جاہ و منصب۔ اور اضافۂ اقتدار و سطوت پر تمامتر مصروف رہی تھی لیکن شجاع الدولہ کے وقت مین انگریزون کی پشت پناہی اور حمایت کا سہارا پاکے جو اطمینان و دلجمعی نصیب ہوئی اُسنے آیندہ حکمرانون کو اپنے مقبوضات پر بخیر و عافیت قابض و متصرف رہنے اور عیش و کامرانی کے ساتھ بفراغت بسر کرنے ہی پر مائل رکھا۔ شجاع الدولہ کی حُسن صورت و سیرت کے باب مین انگریزی مورخین بہت تر زبان ہین

چنانچہ مسٹر ڈو (جو غالباً دلمین شجاع الدولہ سے کچھ عناد بھی رکھتے تھے) مقر ہین کہ "وہ بہت حسین اور خوشرو جوان تھے۔ قدِ بلند یانچ فٹ گیارہ انچ تھا۔ ہاتھ پاؤن چوڑے چکلے تھے بدن پھرتیلا کسیلا تھا۔ تلوار کی ایک ضرب سے بھینسے کا سر اڑا دیتے تھے۔ ساتھ ہی اسلئے بڑی جلت پھرت کے آدمی تھے محنت مشقت کے عادی تکلیف ومصیبت جھیلنے کے خوگر۔ اولوالعزم اور عالی حوصلہ چمکیلی آنکھون اور رخسار اشگاف نظر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دل مین جوش اور سینے مین اُمنگین بھری ہوئی ہین۔ وہ صبح گجر دم اُٹھ بیٹھتے اور گھوڑے پر سوار ہو کے سیر وشکار کو جنگل کی طرف نکلجاتے۔ وہان ہرن۔ بارہ سنگھے یا چیتے کا شکار کھیلتے دوپہر ہوتے گھر آتے اور آتے ہی آتے ٹھنڈے پانی سے نہا ڈالتے۔ پھر حرم سرا مین داخل اور عیش ونشاط مین مصروف ہوجاتے یہ حالت ابتدائی تھی لیکن بکسر کی لڑائی مین شکست کھا کے طبیعت کا رنگ بدل گیا تھا۔ اب فوج کی درستی محاصل ملک کی افزونی پر زیادہ توجہ ہوگئی تھی۔ حرم سرا کی دلچسپیان کم ہوگئین مہمات ملکی ومالی مین انہماک بڑھ گیا جس سے اُنکی دھاک ہر چہار طرف بندھگئی ملک کی آمدنی بڑھ گئی۔ فوج بھی ایسی مرتب ہوگئی کہ شمار مین آنے لگی" ارون صاحب لکھتے ہین کہ شجاع الدولہ کے کارگزار ہونیکی قابلیت مسلم ہے۔ بکسر کی لڑائی کے بعد چار ہی برس کے اندر انھون نے تمام پچھلے مطالبات کو پاک کرکے خزانہ مالامال کردیا اور ملک کو ایسا مرتب ومنتظم بنا دیا کہ محاصل بے خرخشہ وصول ہونے لگے۔ فوج بھی آراستہ اور باقاعدہ ہوگئی۔ فرینکلن اور اسکاٹ جیسے مصنفین جنکے دل مسٹر ڈو کیطرح مکدر نہین کہتے ہین کہ شجاع الدولہ ایک اچھے مجسٹریٹ۔ معدلت پسند اور دل وجان سے اپنی ملک کی فلاح ورفاہ چاہنے والے نواب تھے۔ انداز واد مین انہی کو نہایت لیے دئے عاقل وفرزانہ خلیق ومتواضع۔ رحمدل وکشادہ مزاج رعایا برایا کی محبوب اور ہر طبقے مین ہردلعزیز۔ حتی کہ انکی موت پر حافظ رحمت خان کے بیٹے تک ملول ومتاسف تھے"

فی الحقیقت شجاع الدولہ مین خدا نے بہت سی خوبیان اور فضیلتین جمع کر دی تھین اور اُس پرآشوب وقت مین جبکہ مغلونکی شمع اقبال جھلملا رہی تھی۔ بابر اعظم کی نسل سے سطوت وجبروت شاہی کیساتھ تمام فضائل ومحاسن بھی معدوم ہو چکے تھے۔ ہندوستانکی پولٹیکل شطرنج مین یہی ایک مُہرا ایسا زبردست تھا جو سب طرف معرکے کی چالین ڈال رہا تھا۔ اگرچہ خود بادشاہ سلامت پر بھی اُسکی ہاتھون ایک دھ بار شہ پڑگئی لیکن آئین ملک داری اور حکمت عملی کے واقف کارون کے نزدیک ایسی خطائین قابل چشم پوشی ہین۔ کیونکہ شجاع الدولہ کے وقت مین زمانیکا رنگ بہت بدل چکا تھا وہ اپنی بزرگون کی نقش قدم پر چل ہی نہ سکتے تھے۔ اُن لوگونکو جو کچھ مقابلہ کرنا پڑا ایرانیون تورانیون ہی کرنا پڑا۔ اُنکے مقابلہ کی شان اور ہی تھی۔ شجاع الدولہ کیوقت مین انگریز۔ اور فرانسیسی بھی میدان مین آ چکے تھے۔ اُنکی کشتی اور ہی پہلوانون سے بدی گئی تھی۔ یہ اگر وہی داؤن پیچ کھیلتے کبھی سر نہ ہوتے۔

ان وجوہ پر نظر کر کے یہ کہنا ہرگز بیجا نہین ہی کہ شجاع الدولہ مین خدا نے کچھ غیر معمولی جوہر ذاتی ایسے دیئے تھے کہ اجنبی راہ اور بیگانہ منزل مین یہ بسلامت چلے اور مقصود کو پہونچگئے شجاع الدولہ نے ایک طرف روہیلکھنڈ پر قبضہ کیا جسپر اُنکے بزرگونکا دانت ہمیشہ لگا رہا۔ دوسری طرف فرخ آباد تک نائرہ دولت بجایا۔ ادھر صوبہ الہ آباد مین اضلاع بنارس۔ غازیپور۔ ادھر فتحپور۔ کانپور۔ اٹاوہ مین پوری تک انھین کے نام کی دوہائی پھری کل آمدنی صوبہ کی (جسوقت فرخ آباد بھی شامل تھا) دو کرور ستر لاکھ تھی جسمین تراسی لاکھ سرکار انگریزی کو دیا جاتا تھا۔

(۵) نواب آصف الدولہ بہادر

شجاع الدولہ کے مرنے پر آصف الدولہ بڑے بیٹے مسند نشین ہوے۔ انکی مسند نشینی کی ابتدا ہی سے انگریزون کی مداخلت شروع ہو گئی۔ وہ اپنے صفات ذاتی سے واقف تھے۔

اور سمجھتے تھے کہ لایق فایق بھائیون کے سامنے دال گلنا مشکل ہی۔ اسیوجہ سی ہروقت ڈر لگا رہتا تھا کہ کہین کوئی دعویدار ایسا نہ اُٹھ کھڑا ہو کہ جسکے سامنے سر جھکا دینا ہی پڑے۔ اور یہی وجہ تھی کہ انھونے اول ہی اول انگریزون کی حمایت و سرپرستی کی جستجو کی۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سو انگریزونکی حیلہ جو پالسی ایسے موقع کی منتظر تھی۔ مادہ قبولیت دیکھتے ہی تمامتر رجوع ہوگئے۔ عنایتین مہربانیان شروع ہوئین۔ تعلقات دوستانہ کے پردے۔ حمایت وحفاظت کی آڑ مین اپنی برتری اور افضلیت کا سکہ بٹھالیا۔ ہر بات مین محرم راز اور ہر صلاح مین مشیر بنتے تھے یہ نوبت پہونچ گئی کہ کوئی کام بلا استصواب بلکہ بلامنظوری کرنا خطا وجرم ہوگیا۔ اب زمانہ یہ آلگا تھا کہ دربار دہلی سے برائے نام واسطہ رہگیا تھا دنیا کا انتظام "بیم ورجا" پر منحصر ہی۔ دربار کی بے اثری بلکہ بےپیرزی روز روشن کیطرح آشکارا ہوچکی تھی اور جو کچھ بھرم بنا تھا اسکی قلعی کھل گئی تھی۔ رُعب وسطوت کا نام بھی باقی نہ رہا تھا۔ خالی وضعداری کا نباہ تھا کہ لوگ بظاہر گردن جھکاتے اور رسم حلقہ بگوشی ادا کرتے تھے۔ البتہ انگریزون کے جاہ وجلال۔ عاقلانہ تدابیر۔ حکیمانہ طرز عمل۔ اور فوجی شان وشکوہ کا سکہ ہر طرف جم گیا تھا۔ انکی تلوار کا لوہا سب مان چکے تھے اور اُن کے دماغون کی فراست سب کے دلونپر نقش ہوچکی تھی۔ ہر عاجز ودرماندہ عرض حاجت کرنے انھین پاس دوڑتا۔ ہر مظلوم وبیکس انھین سے داد بیداد چاہتا۔ آصف الدولہ بھی مجبور تھے طبیعت مین نہ وہ جوش اور زور تھا کہ کسی کو خطرے خیال مین نہ لاتی نہ یہ اولوالعزمی اور بے جگری کہ دوسرونکا مال تاکتے اور ہر ایک سے دست وگریبان ہوجاتے۔ اُنکو بنی بنائی سلطنت ملی تھی۔ دلمین جو کچھ اُمنگ اور آرزو تھی اسیکی تھی کہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے مقام پر بیٹھکے داد عیش وکامرانی دیجئے۔ کھائیے کھلائیے۔ دنیا کی بہار دیکھئے اور ہنس کھیل کے زندگی گزار دیجئے۔ یہی وجہ تھی کہ انکی بائیس برس کے عہد حکومت مین اودھ کا یہ حال رہا کہ جیسے ایک کھلونا تھا جس سے کمپنی بہادر کے نائبان سلطنت اپنے اپنے وقتون مین کھیلتے اور جی

بہلاتے رہے۔

آصف الدولہ نے دربار دہلی سے بہت کم سروکار رکھا۔ وہ ہر معاملے مین انگریزونسے داد خواہ ہوتے اور انھین کو اپنا حامی و مددگار بلکہ ملجا و ماوا جانتے۔ البتہ ایکبار جب شاہ عالم کو ضابطہ خان نے بہت ستایا اور وہی ظلم وستم شروع کردیا جو غازی الدین نے اُنکے باپ کیساتھ کیا تھا۔ تو آصف الدولہ نے شاہ عالم کو روپیہ اور فوج کی کمک بھیجکے ضابطہ خان کے ظلم۔زیادتی سے نجات دلادی۔ اور اسی خدمت کے صلے مین بادشاہ نے مملکت کی اُنکو بھی وزارت تفویض کردی۔

آصف الدولہ کی مسند نشینی پر کمپنی کی جانب سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ فریق معاہدہ شجاع الدولہ تھے۔ وہ مرگئے۔ اُنکی بات اُنکے ساتھ گئی۔ اب نیا کارخانہ ہوا ہی۔ نئی بساط بچھی ہی نئی چالین چلی جائینگی۔ معاہدہ اور قرارداد بھی نئے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جدید عہد نامہ ہوا جسکی رو سے یہ طے پایا کہ نواب کسی یوروپین کو بلا استرضائے کمپنی اپنی ملازمت مین نہ رکھین شاہ عالم سے کمپنی اور نواب بطور خود کسی قسم کی معاملت نہ کرین۔ کوڑا اور الہ آباد نواب کے قبضہ و اختیار مین رہی بنارس جونپور غازیپور (جسکی مدنی تیئیس ۲۳ لاکھ تھی) کمپنی کے پاس رہی۔ ماہواری خرچ فی بریگیڈ بجائے دو لاکھ دس ہزار کے دو لاکھ ساٹھ ہزار ٹھہری۔ شجاع الدولہ کے ذمے جو کمپنی کا واجب یا فتنی تھا اُسکی ادائی آصف الدولہ نے اپنے سر لی اور کمپنی نے وعدہ کیا کہ نواب کے مقبوضجات (جسمین کوڑا۔ الہ آباد۔ روہیلکھنڈ اور میان دوآب کا ملک بھی تھا) کے محافظ نگہبان ہین گے اور بیرونی دشمنون سے بچائے رکھین گے۔ اسی کے ساتھ ہی کچھ فوج کا اضافہ بارہ لاکھ سالانہ خرچ پر ہو گیا اور جو رزیڈنٹ دربار مین رہتا تھا اُسکی تنخواہ کے علاوہ ایک اور ایجنٹ لکھنؤ مین مقرر کیا گیا جسکی تنخواہ دو لاکھ بیس ہزار سالانہ نواب نے اپنے ذمے کرلی۔

انگریزونکے ظل عاطفت وحمایت کا سہارا پاکے آصف الدولہ بیرونی دشمنون حملہ آورون

اور اندرونی دعویداروں اور رقیبوں سے بالکل نڈر اور مطمئن ہو گئے۔ اور نظم و نسق مملکت و آراستگی سلطنت تو کجا۔ داد عیش و کامرانی دینے لگے۔ لیکن چونکہ فیض آباد میں ان کی اماں اور دادی کا رعب چھایا ہوا تھا۔ اُنکے سامنے مجال نہ تھی کہ جوانی کی اُمنگیں نکل سکیں اور کھلے بندوں جو چاہیں کریں۔ اسلیے یاران انجمن نے یہی صلاح ٹھہرائی کہ فیض آباد کو چھوڑ کے لکھنو آباد کرنا چاہیئے۔ آصف الدولہ کی طبیعت تو راحت کی خواہاں۔ آرام کی جویاں تھی ہی۔ یہ خدا سے چاہتے تھے کہ آزاد و مطلق العنان رہکے دل کے شوق پورے کریں حوصلے نکالیں۔ چنانچہ باختلاف روایات ۱۷۷۵ء یا ۱۷۸۱ء میں امارت کے سارے کارخانے لکھنؤ میں آ گئے۔ فیض آباد سونا ہو گیا اور لکھنو کی آبادی کی بنیاد پڑ گئی۔ لیکن لکھنو آ کے آصف الدولہ کو یہ وقت پڑی کہ جو کچھ نقد و جنس زر و جواہر کئی پشتوں کی کمائی تھا وہ سب ماں اور دادی کے قبضے میں تھا اُس پر نواب کا دسترس نہ ہو سکتا تھا۔ ادہر کچھ تو خلقی سیر چشمی اور فیاضی کے سبب آمدنی پر خرچ بالا رہتا تھا تو فیر کجا اور کچھ انگریزوں کے مطالبات کی وجہ سے روپیہ کی حاجت یوماً فیوماً بڑہنے لگی۔ کمپنی کے مطالبات کا حال یہ تھا کہ ربڑ کی طرح بڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔ اور اب بڑھتے بڑھتے ایک کرور سالانہ تک پہونچ گئے تھے جنمیں سے بڑی کشش و کوشش کرنے سے ستر لاکھ سالانہ ادا ہوتا اور تیس لاکھ سالانہ بقایا کی مد میں پڑتا۔ نوبت بایں جا رسید کہ ۱۷۸۰ء میں اس بقایا کی میزان بھی دو کرور دس لاکھ روپیہ ہو گئی۔

اگرچہ ان مطالبات کی ادائی کے واسطے بہت کچھ فکر کی گئی لیکن کوئی تدبیر کارگر نہوئی بلکہ بعض صورتیں ایسی پیش آتی رہیں جنسے خرابی کے سامان بڑھتے اور مداخل گھٹتے ہی رہے۔ آخر نواب نے مجبور ہو کے ۱۷۸۱ء میں کمپنی سے رحم کی التجا کی۔ اتفاق یہ کہ

تھوڑے دن بعد وارن ہیسٹنگز کو روپیہ کی شدید ضرورتین داعی ہوئین اور وہ ۱۷۸۱ع مین چنارگڈھ نواب سے ملنے اور کچھ معاملات طے کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ نواب بھی وہین پہونچے دونون نے اپنی حالت اور ضرورت کو بیان کیا۔ چنانچہ یہ طے ہوگیا کہ بجز ایک بریگیڈ اور ایک زائد رجمنٹ کے اور جسقدر انگریزی فوج اودھ مین ہو وہان سے بلا لیجائے۔ اور نواب کو اپنے جاگیردارون کی بابت بھی یہ استحقاق حاصل ہو کہ جسکی جاگیر چاہین ضبط کرلین البتہ وہ جاگیرین جنکی ضمانت انگریز کرچکے ہین اُنکے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے کہ بہرنوع اُنکی آمدنی بذریعہ رزیڈنٹ اُنکو پہونچتی رہے۔ اسی طرح کمپنی کے مطالبات کی ادائی کے واسطے یہ تدبیر نکالی گئی کہ کسی حیلہ وحوالہ سے ایک رقم کثیر بیگمات شاہی سے وصول کیجاے۔ اگرچہ آصف الدولہ پچپن چھپن لاکھ کے قریب مختلف وقتومین مان اور دادی سے وصول کرچکے تھے لیکن اب کمپنی کی شدید ضرورت اور تقاضے سے مجبور ہوکے اُنکو پھر بھی چال چلنا پڑی چونکہ کمپنی کے واسطے روپیہ وصول کرنا تھا اس لیئے اُنکو ہر طرح سے اطمینان تھا کہ اس کارروائی مین جوکچھ تشدد یا ظلم وستم بیگمات شاہی پر کیا جائیگا اُسمین انگریز مانع اور مزاحم نہونگے بلکہ ہر طرح چشم پوشی ہی کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ستر لاکھ روپیہ وصول ہوگیا۔ لیکن چونکہ یہ مقدار ناکافی تھی اس لیے دوسرے شکار کی تلاش کی گئی۔ فیض اللہ نواب روہیلکھنڈ اس دام مین پھانسے گئے۔ اور جب تک اُنھون نے پندرہ لاکھ روپیہ پیشکش نہ کیئے جان نہ چھوڑا سکے۔

ان تمام کارروائیون کا الزام چاہے آصف الدولہ کی کمزوری پر رکھا جاسے چاہے جلاوت جنگ وارن ہیسٹنگز کی دھینگا دھینگی یا کمپنی کی موقت ضرورتون اور اُسکی سلطنت سازی کے منصوبون پر۔ بہرتقدیر اودھ کے واسطے یہ زمانہ کچھ اچھا نہ تھا۔

ایک طرف سے روپیہ کی مانگ تھی کہ برابر جاری تھی۔ اور نہ ملنے پر دھمکیان تھین خفگیان تھین اور ملنے پر چشم پوشی۔ دوسری طرف خزانے کے منھ کھلے ہوئے تھے اور کشادہ دلی و بلند نظری کا اظہار بیدریغ زرپاشی پر آرہا تھا ہمت عالی کے سامنے ملکی ضرورتین انتظامی اور سیاسی اصول سب بالائے طاق رکھ دیے گئے تھے۔ چشم مروت باعث خانہ خرابی ہو رہی تھی۔ خیریت گزری کہ یہ حالت زیادہ دنون قائم نہ رہی اور بعد چندے لارڈ کارنوالس صاحب زیب دہ ایوان گورنری ہو گئے۔ اور ۱۷۸۷ء مین نواب نے اپنی پریشانی حالت اُنپر ظاہر کرنے کے واسطے امیر الدولہ حسن رضا خان کو کلکتہ بھیجا۔ اُسوقت کی پریشانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ امیر الدولہ کو ۱۰۰۰۰ لاکھ روپیہ سرکار سے سفر خرچ عنایت ہوا اور کروڑ روپیے تک صرف کی اجازت دیگئی امیر الدولہ نے لارڈ صاحب سے یہ اسباب پریشانی بیان کیے "ایک تو قلت مداخل کثرت مخارج۔ مصارف امیرانہ لابدی۔ تیسرے نقصان چھائی جسکا سالانہ قسط چھپن لاکھ ستتر ہزار ہوتا ہی۔ ملک بنارس وغیرہ محاصل ۱۲ لاکھ ہدیۂ دوستانہ سرکار کمپنی کو دیا۔ چوتھے لکھا روپیہ صرف ضیافت و سامان روشنی و تماشائی ہولے۔ بسنت وغیرہ محض بخاطر صاحبان عالیشان نووارد ہوتا ہی۔ تجار انگریزی اسباب تجارت وغیرہ ولایت سے لاتے ہین اُنپر محصول نہین۔ چھٹے تاجران ولایت جو رطب و یابس لاتے ہین عرض کرتے ہین ہم بڑی دور سے یہ اسباب تحفۂ ولایت فقط حضور کے واسطے لائے ہین ہندوستان مین سوائے حضور کے کون قدردان ہی جو ایسے ایشیائی تحفۂ کمیاب کو مول لے جناب عالی (یعنے آصف الدولہ) اپنی بلندنامی کیواسطے ملاحظہ فرما کے سب مال ترخشک لے لیتے ہین اور جسقدر وہ قیمت لکھ بھیجتے ہین اُسکی دلائی ہمپر ہوتی ہی۔ ہم حکم حاکم مجھکے

بجا لاتے ہین اور اس قرضے کا سود ہمین دینا پڑتا ہے" لارڈ کارنوالس نے ان معقول اسباب پریشانی پر اپنی ہمدردی ظاہر کی۔ چھ اتی ہین دو آنے موقوف کیئے۔ ملک بنارس وغیرہ کا استرداد منظور کیا اور حکم دیا کہ کوئی تاجر بے صاحب رزیڈنٹ یا کوئی تازہ ولایت نواب تک نہ پہونچا کرے اور تجارت پر حسب سررشتہ حکم محصول دیا۔ یعنے فیصد پانچ روپیہ لیا جاے۔ ارون صاحب لکھتے ہین کہ لارڈ صاحب نے کمپنی کا ایجنٹ بھی جسکی بابت دس لاکھ سالانہ کے قریب خرچ پڑتا تھا موقوف کردیا۔ لیکن ان سب مین استرداد ملک بنارس کو نواب نے بمقتضاے ہمت عالی قبول نہ فرمایا؟

اودھ کے دن اچھے نہ تھے کہ لارڈ کارنوالس کے بعد سر جان شور صاحب گورنر جنرل ہوکے آئے۔ انھون نے جو کیا تو یہ کیا کہ جب ۱۷۹۷ء مین لکھنؤ تشریف لائے تو دو وزا اندرین جھنجھٹن ساڑھے پانچ لاکھ سالانہ کے خرچ سے مسلط کرگئے۔ دوسرا تحفہ لارڈ صاحب یہ دیگئے کہ علامہ تفضل حسین خان کو ملاگیری سے وزارت پر فائز کرگئے۔ نواب کے منظور نظر میان الماس تھے اور وہ انھین کو اس منصب کے شایان سمجھتے تھے۔ لیکن اب زمانہ یہ آگیا تھا کہ اندرونی معاملات اور فروعی انتظامات بھی بغیر صلاح و مشورۂ لارڈ صاحب طے نہین ہوتے تھے۔ اگرچہ میان الماس کی انتظامی قابلیت ہردلعزیزی اور وفاداری و جان نثاری کی بابت سلیمن صاحب تک رطب اللسان ہین۔ لیکن سر جان شور کو اُنکی وزارت بوجہ نامنظور کرنا پڑی کہ کسی وقت مین لارڈ کارنوالس صاحب اُنکے خلاف کچھ لکھ جاچکے تھے۔ بہرحال مُلا کی قسمت مین ایکبار عروج پانا لکھا تھا۔ کچھ دنون کے لیے رتی چمک گئی۔ وزارت پاگئے اور چند ہی روز مین مالامال ہوگئے۔ لیکن آصف الدولہ کا ساغر حیات لبریز ہوچکا تھا۔ ملا بیچارے کی تقدیر نے بھی کچھ زور نہ لگایا

نواب بیمار پڑے۔ استسقا ہو گیا۔ اور ستمبر ۱۷۹۷ء مین عدم مقام ہو گئے۔

آصف الدولہ کا زمانہ اگرچہ گرد و پیش کے حالات و اسباب کے تبدیل ہو جانیکے سبب ایسا نہین ہوا جسے دور ترقی مین شمار کر سکین۔ لیکن اس مین کچھ شک کہ ملک کی عام بے امنی اور طوائف الملوکی کے ہنگامے مین اُنکا انگریزون کی رضا جوئی کرنا بھی وقتی ضرورتون کے لحاظ سے بہت مناسب اور نتیجہ خیز ہوا۔ اسمین بھی شک نہین کہ آصف الدولہ کے وقت سے جسطرح لکھنؤ کی آبادی کی بنیاد پڑی اسی طرح ایک جدید دور بھی شروع ہو گیا۔ وہ اپنے جانشینون کے واسطے ملک گیری اور معرکہ آرائی کی شاہ راہ سے الگ ہو کے ایک نئی سڑک قناعت کے ساتھ اپنی دستار سنبھالے ہوے چلنے کی بنا گئے۔

داد و دہش زرریزی اور گھر پاشی کے لحاظ سے آصف الدولہ اپنے وقت کے حاتم تھے نہین نہین۔ پارس پتھر کہنا چاہیے کہ جو چھو گیا خاک سے پاک ہو گیا۔ انگریزون کو جو کچھ مِلا اسکا تو کچھ حساب نہین کمپنی تو کمپنی ادنیٰ ادنیٰ ملازم لاکھون روپیہ کما لیگئے دہلی کے شہزادے جو وارد و صادر ہو جایا کرتے تھے۔ جب تک رہتے تھے مہمان نوازی کے وہ لطف اُٹھاتے تھے کہ گھر بھول جاتے تھے۔ جب جانے لگتے جیب و دامن پر کرکے لیجاتے تھے۔ پھر ہندوستانی مقربان بارگاہ کے مداخل و مخارج کا کیا پوچھنا ہے۔ ایک ایک سرکار کے کر و فر۔ جاہ و حشم وہ تھے کہ اور ملکون کے بادشاہون سے دعواے ہمسری رکھتے تھے۔

ایسے سیر چشم۔ دریا دل حکمران کے عہد حکومت مین کسی نئے شہر کی آبادی کی بنیاد پڑنے ہی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ یکایک کیونکر جنگل مین منگل ہو گیا۔ خود آصف الدولہ

نے آتے ہی تعمیرات کا جو محکمہ کھولا اور اُسی کے ساتھ امرائے دولت واعیان ریاست نے عالیشان عمارتون کا جو سلسلہ شروع کیا اُسنے لاکھون بندگان خدا کی کفالت کی ہزارون کو مالا مال کردیا۔ اور وہ لکھنؤ جو چند دیہات کے مجموعہ سے زیادہ نہ تھا۔ جسمین خرابے اور زمین شور کے سوا کسی طرف کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بنجر۔ بہٹر زمین۔ اونچی ٹیکری گہرے گہرے نالے ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔ کہین جھاڑیون جھنکاریون سے جنگل کا سمان تھا۔ کہین پھوس کے چھپرون اور کچے مکانون سے گاؤن کی کیفیت چند ہی دن کی مدت مین ایک اچھا خاصہ شہر بنگیا۔ ہر طرف آبادی ہوگئی۔ بازار لگ گئے۔ گنج بن گئے۔ سڑکین نکل گئین۔ اور گلی کوچے مین کنچن برسنے لگا بڑی بڑی کوٹھیان اور محلسرائین بنین۔ باغ باغیچے لگے پھلواریان آراستہ ہوئین۔ امامباڑے بنے مسجدین تعمیر ہوگیئن۔ اور ہر طرف چہل پہل ہوگئی۔

اتفاق یہ کہ اب زمانہ وہ پرآشوب آلگا تھا کہ خاندان تیموریہ کی روز افزون تباہی اور اسلامی سلطنت کے ضعف وانحطاط سے پایۂ تخت ویران ہو رہا تھا۔ پرانے پرانے خاندان مٹنے لگے تھے اور وہ لوگ جو بزرگونکی ہفت ہزاری اور صوبہ داری کے جاہ وحشم مین ناز و تنعم سے پلے تھے شکستہ حال اور محتاج و فاقہ کش ہو ہو کے خانمان خراب ہو رہے تھے لیکن دہلی سے نکلین تو جائین کہان۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ کہین امن نہ تھا ملک کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ ایک طرف مرہٹے سر اُٹھائے ہوے ہین۔ اُنکے گھوڑون کی ٹاپون سے ادہر راجپوتانہ اُدہر مالوہ بندیلکھنڈ اور گجرات مین ہلچل مچی ہوئی ہے۔ لڑتے بھڑتے لوٹتے مارتے۔ گاؤن کو ویران کرتے اور شہرون کو تباہ کرتے ابھی ادہر سے نکل گئے ابھی اُدہر سے۔ سارا ملک تہ وبالا

ہو رہا ہی۔ کہین چین نہین۔ دوسری طرف پنجاب مین سکھا شاہی کے جور و جفا سے خلقت جان بلب ہو رہی ہی۔ تعصبات مذہبی کے شعلے آسایش عامہ کے لیے برق خرمن سوز کا کام کر رہے ہین۔ چین سے پاؤن پھیلا کے سونا تو کجا جان و مال۔ عزت و آبرو کی ہر شخص خیر منا رہا ہی۔ ایک طرف ٹیپو سلطان کی بخلی طبیعت اور فرانسیسیون کی سیف و قلم کی دھاک بندھی ہوئی ہی۔ جدال و قتال۔ صف آرائی اور میدان داری کا بازار گرم ہی۔ دوسری طرف پنڈھاریون کی لوٹ مار سے بستیان اُجاڑ اور راستے مخدوش ہین ایسی مصیبت۔ تباہی۔ بے امنی۔ اور جان بلبی کے وقت جو کچھ سکون و قرار۔ رحمت و اطمینان کا سامان نظر آتا تھا تو اودھ کے چھوٹے سے ٹکرے مین۔ پھر آصف الدولہ کی فیاضی و سیرچشمی کا غلغلہ بھی بلند ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشہ و زاویہ سے جو زمانہ کا ستایا اور آفت کا مارا نکلتا اودھ ہی کی طرف جھکتا۔ شریف اور خاندانی امیر زادے۔ سپاہی منش اور تلوار کے دھنی سورما۔ ہر علم کے عالم اور ہر فن کے کامل سبھی رنگ اور سبھی مذاق کے لوگ آنے اور جوہر شناس رئیس اور اُس کے قدر دان دربار یونکی داد و دہش اور بذل و ایثار سے یہین رہ جانے لگے۔ اور ان باتون نے لکھنؤ کو لکھنؤ بنادیا۔ اور اُسکا آوازہ چار دانگ عالم مین بلند کر دیا۔

خود آصف الدولہ نے جو عمارتین بنائین اُنکی صنعت تعمیر اور شوکت و عظمت آج تک بنانیوالے کی نیت پر گواہی دے رہی ہین۔ حسن باغ۔ عیش باغ۔ چار باغ کا نام ابھی تک مشہور ہی۔ دولت خانہ۔ بباپور کی کوٹھی۔ جھنٹ کی کوٹھی کے اب صرف کھنڈر ہین۔ لیکن۔ بڑا امامباڑہ اور رومی دروازہ جسمین اینٹ اور چونے کی وہ صناعی دکھائی گئی ہی کہ اہل یورپ بھی اُسکی تعمیر دیکھکر دنگ رہجاتے ہین۔ ابھی تک

اُس نیک دل - غریب پرور - عاجز نواز اور فیاض نواب کی نیک نیتی کو ظاہر کر رہا ہی اور زمانے کے ظالم ہاتھ کی چوٹین بچاتا اپنی حالت پر قائم ہی - یہی امامباڑہ بعد مرگ نواب کی خوابگاہ ہو گیا اور اسو جہ سے ملا محمد خطائی شوستری کی یہ تاریخ ہا ہتا روح و ریحان وجنّت النعیم" سر بالین بہت لطف دے رہی ہی -

آصف الدولہ کے بعد وزیر علیخان اُنکے بیٹے اُنکے تخت نشین ہوے لیکن انگریز نسبے دل صاف نہ رکھتے تھے - اور اُنکو بھی اُنپر اطمینان نہ تھا - پانچ ہی چار مہینے بیٹھے تھے کہ کچھ ایسے حرکات ناروا و ناسزا بھی صادر ہوے - جنسے قدیمی خانہ زاد معتمد الخدمت اہل دربار - بھائی بند اور رعایا برایا مین برہمی پیدا ہو گئی - اور اس شورش کی اطلاع سُنکے سر جان شور کو کلکتہ سے آنا اور لکھنؤ مین نواب کا قلع قمع کرنا پڑا - نواب حراست مین کر کے بنارس بھیجدیے گئے - تین لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا - لیکن اپنے ہتکھنڈون سے نہ باز آئے اور کچھ روز سرشوری کے ساتھ ادھر اُدھر دن گزارتے - فتنے اُٹھاتے - ہنگامے برپا کرتے رہے - آخر عمر مین کلکتہ مین قیدیون کیطرح زندگی کے دن پورے کر کے ناشاد و نامراد دنیا سے اُٹھ گئے - مقام عبرت ہی کہ وہ شخص جس کی شادی کتخدائی مین تیس لاکھ روپیہ صرف ہوا اُسکے کفن دفن مین ستر روپیہ سے زیادہ نہ صرف ہوا فاعتبروا یا اولی الابصار -

(۶) نواب سعادت علیخان

اُنکا پورا خطاب یمین الدولہ ناظم الملک (بعد چندے افتخار الملک) نواب سعادت علیخان بہادر مبارز جنگ تھا شجاع الدولہ کے بیٹے اور آصف الدولہ کے بھائی تھے - لیاقت

وکاردانی اور فراست وہوشمندی کے جوہر خداداد لائے تھے۔ باپ کے وقت میں بریلی کے صوبے کا سارا کام انھیں کے سپرد تھا۔ وہیں اپنے جوہر ذاتی کے دکھانے میں مصروف تھے۔ جب بڑے بھائی (آصف الدولہ) کہ مسند نشین اور اپنے سے بدظن پایا بمقتضائے خرم واحتیاط الگ تھلگ رہے۔ نہ دعویدار ریاست ہوے نہ رقیب مملکت بنے۔ لیکن آصف الدولہ نے اسے گوارا نہ کیا مصلحت اسی میں سمجھی کہ انھیں نگاہ کے روبرو رکھیں۔ بلایا اور بہت تپاک سے بلایا یہ نہ آئے۔ انھوں نے انگریزوں کو بیچ میں ڈالا۔ ادھر سے فہمایش بھی ہوئی دباؤ بھی پڑا۔ مجبور ہو کے آئے۔ لیکن صحبت برآر نہو سکے۔ یہاں کا قوام بگڑا ہوا تھا۔ نائب الریاست کو سیاہ وسفید کا مالک اور رئیس کو غافل واز خود رفتہ دیکھکے جی نہ لگا۔ آخر بنارس میں جاکے رہنے لگے تین لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ بعد چندے جب آصف الدولہ کو ملک کی بدنظمی پر توجہ ہوئی۔ اہلکاروں کی بداعمالیوں پر آنکھ کھلی مختار الدولہ کی نیابت اُنکے تمرّد اور تبختر کی وجہ سے خار گزرنے لگی۔ یہ بھی آئے اب زمانہ یہ آ لگا تھا کہ بعض ارکان دولت کے سروں میں بھی خیالات فاسد راہ پائے اپنے ہی مرغان دست پرور آنکھیں دکھانے لگے تھے بسنت علیخاں سپہ سالار افواج کے دل میں نواب اور نائب دونوں کی طرف سے بدی آ چکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ مختار الدولہ او ربسنت علیخاں موت کے گھاٹ اُترے اور سعادت علیخاں جان بچاکے الہ آباد کی طرف نکل بھاگے۔ ایک ہی دن میں نائب الریاست۔ سپہ سالار عساکر۔ اور قوت بازو بھائی نے نواب سے کنارہ کیا۔

آصف الدولہ کے مرنے پر جب وزیر علیخاں کی مسند نشینی کی خبر سنی سعادت علیخاں

اکو اپنی فکر پڑی ۔ پیشتر ہی سے بند و بست کر چکے تھے ۔ اور انگریزوں کے قول و قرار عہد و پیمان پر مطمئن بیٹھے تھے ۔ یہ خبر سنتے ہی فوراً کلکتہ چلے کہ وہیں جا کے کوئی صورت نکالیں معاملہ طے کریں ۔ اپنے حقوق اور انگریزوں کے مواعید یاد دلائیں ۔ رحم کی درخواست کریں ۔ صلہ و مکافات سلوک و مدارات کی پرچک دیں ۔ اقبال پہلے ہی سے یاوری پر کمربستہ تھا ۔ راستے ہی میں تھے کہ لکھنو سے طلب پہونچی ۔ ادھر خانِ علامہ نے ریشہ دوانی کی ۔ ادہر بہو بیگم صاحبہ کا شقہ خاص پہونچا ۔ اسے لطیفۂ غیبی سمجھ کے پلٹ پڑے ۔ تقدیر کے کارخانے دیکھو کہ جس شام کو یہ کانپور پہونچے اسی کی صبح کو وزیر علیخاں لکھنؤ میں گرفتار ہو گئے ۔ انکے واسطے میدان صاف ہو گیا القصہ انگریزوں کے ظل حمایت میں بسنت کے دن ۲۱ جنوری ۹۸ء کو بڑے تزک و احتشام سے داخل شہر ہوے کسی نے تاریخ کہی ؎

تاریخ مقدمش را جستم ز پیر دانش گفتا بگو سعادت با صد سعادت آمد

مسند نشینی سے پہلے ہی انگریزوں سے یہ معاہدہ ہو گیا کہ کمپنی کو چھپن لاکھ کے عوض چہتر لاکھ سالانہ ماہوار قسطوں میں دیا کریں ۔ وزیر علیخاں کو ڈیڑھ لاکھ سالانہ رزیڈنٹ کی معرفت پہونچتا رہے ۔ بارہ لاکھ روپیہ بطور نذرانہ کمپنی کو معاوضہ اس زیر باری کے دیا جائے جو اس مسند نشینی کے بارے میں اُسکو ہوئی ہی ۔ گورنمنٹ انگریزی کی اطلاع اور منظوری بغیر نہ کسی بیرونی سلطنت سے کوئی رسم و راہ پیدا کی جائے نہ کوئی یورپین ملازم رکھا جاے ۔ الہ آباد کا قلعہ کمپنی لیلے اور آٹھ لاکھ روپیہ اُسکی مرمت و درستی کے واسطے نواب دیں ۔ کمپنی نے وعدہ کیا کہ اودھ کے واسطے دس ہزار فوج بروقت تیار رکھے گی ۔ اور اگر کبھی تیرہ ہزار سے

زیادہ یا آٹھ ہزار سے کم رکھنے کی نوبت آئیگی تو اُسکے مصارف گھٹتے بڑھتے رہیں گے۔

سعادت علیخاں کی زیرکی و فراست کی وجہ سے وہ لوگ جو آصف الدولہ کی فیاضی چشم مروت اور درگزر کی بدولت زوروں میں بھرے ہوسے۔ دولت و ثروت پاکے خودی سے باہر ہو رہے تھے۔ اب بہت ہراساں ہو گئے کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے۔ سعادت علیخاں بھی ایک ایک کے کچے چٹھے سے واقف تھے۔ اور بھائی کے عہد حکومت کی ابتری و بدنظمی۔ نااہلوں کی ترقی باکمالوں کی کس مپرسی۔ عمال سرکاری کی خیانت و بدکرداری۔ حکام کی جور و تعدی رعایا کی مظلومی و بیدلی اور زمینداروں تعلقداروں کی شورہ پشتی و نادہندی سے سینے میں ہزاروں داغ رکھتے تھے۔ اور خوب سمجھے ہوے تھے کہ پرانے پرنے نکالے نئے لگائے بغیر کام نہ چلیگا۔ جب تک انتظام نئے کینڈے پر نہو گا۔ سیاست و ملکداری کے اصول سختی سے نہ برتے جائیں گے۔ یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی۔ اُدہر پولٹیکل تعلقات میں سلطنت مغلیہ کے روزافزوں ضعف و انحطاط اور انگریزوں کی ترقیٔ اقبال سے جو صورت پیدا ہو گئی تھی اُسکے لحاظ سے بھی یہ بیحد ضروری تھا کہ پھونک پھونک کے قدم رکھیں اور اپنی پگڑی سنبھالے ہوے چلیں۔ انھوں نے سب سے پہلے یہی انتظام کیا کہ کمپنی کے مطالبات معینہ اوقات پر پہونچانے لگے باقی ساقی کا جھگڑا ہی نہ رکھا۔ پھر سال بھر تک اندرونی انتظامات میں ہاتھ نہ لگایا تغیر تبدل۔ عزل و نصب سب ملتوی رکھا۔ رفتہ رفتہ مخربان دولت اور بدخواہان ریاست کو ایک ایک کر کے دور دفان کیا کسی کو موقع سے ادہر اُدہر ٹالا۔ دو ایک کو کان پکڑ کے نکالا۔ محاصل ملک پر توجہ کی بہت سی جاگیریں معافیاں جو غیر مستحق اور

نا اہل لوگوں کو آصف الدولہ نے محض علو ہمتی سے دے رکھی تھیں ضبط کیں۔ تعلقداروں کی نا نکاری مٹائیں۔ اجارے اور ٹھیکے توڑے۔ امانی کا بندوبست شروع کیا۔ عمال سرکاری کی کرتوتوں سے واقف اور مطلع رہنے کے واسطے اخبار نویسی کا محکمہ قائم کرکے منتخب اور معتمد لوگوں کو اس کام پر متعین کیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں لارڈ ولزلی صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کے آئے۔ ہندوستان کی پولیٹکل تاریخ میں یکایک نیا دورہ شروع ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں اور فرانسیسیوں کی اولوالعزمیوں اور معرکہ آرائیوں سے انگریزی مقبوضجات بھی خدشے اور خطرے کی حالت میں پڑ گئے تھے۔ اُدھر زماں شاہ کے حملے کی خبریں گرماگرم آرہی تھیں۔ ہر خفتہ و بیدار خبردار ہو رہا تھا۔ لارڈ ولزلی صاحب نے نہایت پامردی اور استقلال سے ان تمام بلاؤں کا مقابلہ کرنا چاہا اور اپنی قوت کے بڑھانے اور انگریزی اقتدار کے برقرار رکھنے بلکہ ایک مستقل اعلیٰ حکومت قائم کرنے پر تمام تر ہمت مصروف کردی۔ انھوں نے نواب پر زور ڈالا کہ آصف الدولہ کے وقت کی جو ستر اسّی ہزار فوج اودھ میں ہے اُسے گھٹا کے اُسکے بجاے انگریزی فوج کچھ اور بڑھالیں۔ نواب کو یہ گوارا نہ ہوا۔ قیل وقال شروع ہوئی۔ اسمیں بات بڑھ گئی۔ معاملے نے طول کھینچا۔ بےلطفی کی نوبت پہونچی۔ نواب نے آشفتہ ہو کے خلع حکومت کی دھمکی دی۔ مگر وہاں ایسی دھمکیوں سے کیا اثر ہو سکتا تھا۔ مصالح ملکی اور مآل اندیشی نے دل فولاد کے بنا دیے تھے جو تجویز تھی پتھر کی لکیر تھی کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے وہ نہ مٹے۔ نوبت بانیجا رسید کہ انگریزی فوجیں اودھ کی طرف بڑھیں۔ مناقشات و مشاجرات کا دروازہ کھلا ہی چاہتا تھا کہ نواب کی

آنکھ کھل گئی۔ مآل کار پر نظر گئی۔ سوچے کہ بگاڑ سے کام نہ نکلے گا اور شامت آ جائیگی۔ آبیل مجھے مار والی مثل پوری ہو جائیگی۔ آخر کار فوج جسمیں سراسر آخور کی بھرتی تھی بہت کچھ تخفیف میں آئی اور چونتیس لاکھ سالانہ کے صرف سے انگریزی بارہ پلٹنیں اودھ میں متعین ہو گئیں۔ اب کمپنی کے مطالبات کی میزان ایک کروڑ پینتیس لاکھ سالانہ پر پہونچ گئی۔ لیکن فوج کی تخفیف سے صرف ایک لاکھ پینسٹھ ہزار کی بچت نکلی جب نواب نے اسپر شکوہ و شکایت کا دفتر کھولا۔ اپنی معذوری مجبوری ظاہر کی تو لارڈ ولزلی صاحب نے یہ بحث پیش کر دی کہ اگر بطور خود ادائی مطالبات سرکاری کا انصرام نہیں ہو سکتا تو نصف حصہ ملک بطور ضمانت تفویض سرکار کمپنی کر دیا جاے۔ اور اسمیں اسقدر انہماک ظاہر کیا کہ عہدنامے کا مسودہ اپنے بھائی ہنری ولزلی کو دیکے لکھنؤ بھیجا کہ سمجھائیں اور تکمیل کرا لائیں۔ چنانچہ تھوڑی گفت و شنید کے بعد ۱۰ر نومبر ۱۸۰۱ء کے عہدنامے پر دستخط ہو گئے جسکی رو سے اضلاع روہیلکھنڈ۔ فرخ آباد مین پوری۔ اٹاوہ۔ کانپور فتحگڈھ۔ الہ آباد۔ اعظم گڈھ۔ بستی اور گورکھپور کمپنی کے تفویض ہو گئے۔ اس زمانے میں اس حصہ ملک کی آمدنی ایک کروڑ پینتیس لاکھ تھی لیکن ۱۸۶۴ء میں اسٹامپ اور آبکاری ملا کے دو کرور گیارہ لاکھ ہو گئی تھی۔ اور اب تو تین کرور سے زائد ہے۔ اس کارروائی کا ایک اثر یہ ہوا کہ اودھ تین طرف سے انگریزی مقبوضات کے حلقے میں محفوظ ہو گیا۔ اور چوتھی سمت تو نیپال کا کوہستانی سلسلہ سد سکندری تھا اسی معاہدے میں یہ طے ہو گیا کہ انگریزی فوج ہمیشہ کے واسطے اودھ سے اٹھ جائیگی اور اسکی بابت نواب کو کچھ دینا نہ پڑے گا۔ البتہ نواب کو اجازت ہے کہ اندرونی انتظام کے واسطے چار پلٹنیں پیدل فوج کی ایک رجمنٹ نجیبوں کی دو ہزار تین سو توپچی گولنداز اپنے ہاں رکھیں۔

نواب سعادت علیخاں کو اتنے بڑے حصہ ملک کے نکل جانے سے رنج تو کیوں نہیں ہوا۔

لیکن آنکھ پھوٹی پیر گئی سمجھکے دلکو تسکین دے لی کہ بلا سے ملک گیا تو گیا آئے دن کی جھڑکیوں
خفگیوں - وانتا کلکل سے تو نجات ملی - روز روز کے تقاضے تو نہوں گے - اب جسقدر ملک ہاتھ
میں ہی اسی پر قناعت کرنا اسی کے بند وبست میں مصروف رہنا چاہیے چنانچہ اسکے بعد نہایت
بیدار مغزی اور معدلت پناہی سے کاروبار ملکی پر متوجہ ہوئے - شب و روز کا اکثر حصہ کاغذات
کے دیکھنے سننے - اراکین سے مشورہ و استصواب کرنے اور حکم احکام جاری کرانے میں صرف
کرنے لگے - پرچہ نویسوں کی رتی خوب چمکی - اخبار ہرکاروں کی بن آئی - لیکن کیا
مجال کوئی جھوٹی خبر تو لکھے - سعادت علیخاں کی فکر صائب اور تدبیر عاقلانہ کی روایتیں حکایتیں
بہت مشہور ہیں - چنانچہ ایک مورخ کا بیان ہی کہ جب آدھا ملک انگریزوں کے سپرد کر چکے تو رات
دن اسی فکر میں ڈوبے رہنے لگے کہ کسیطرح اسکی تلافی کرنا چاہیئے - تلوار کے دھنی نہ تھے کہ کچھ سر اٹھاتے
اور مردانگی کے جوہر دکھاتے میدان میں آتے - سوچتے سوچتے یہی بات نکالی کہ ایک وکیل لندن
بھیجا اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کے سامنے تمام مقبوضجات کمپنی کی مستاجری کا معاملہ پیش کیا -
وہاں درخواست پذیرا ہوئی لیکن یہ شرط پیش کیگئی کہ اٹھارہ کرور روپیہ پیشگی داخل ہوجائے
چنانچہ نہیں معلوم کس طرح جفا و کفا سے بسر کرکے سترہ کرور روپیہ نواب نے جمع کرلیا - ایک کرور
کی فکر باقی تھی وہ بھی ہوجاتی لیکن ع قسمت کی کم نصیبی کو مداوا کیا کرے - موت نے فرصت
نہ دی - سارا منصوبہ خاک میں ملگیا - ایک روایت یہ بھی تاریخوں میں لکھی ہی کہ گور آوسلی صاحب
جو نواب کے بڑے دوست اور مصاحب خاص تھے رخصت لیکے ولایت گئے انکو نواب
کی بہبودی اور ترقی ملک و اقبال کا بہت بڑا خیال تھا - انھوں نے ولایت جاکے یہ تجویز
ٹھہرائی کہ لارڈ ہیسٹنگ جو جارج چہارم شاہ انگلستان کے بڑے رفیق ہیں بسبب افلاس ڈوبے
نہ رہی تنگدست و پریشاں حال ہیں - اُن کے ساتھ اگر کچھ سلوک کیا جائے - تو ضرور کوئی راہ

نکل آئے"۔ انھوں نے نواب کو اُنکے حال پُراختلال پر متوجہ کیا۔ چنانچہ نواب کی دولت سے اُنکا باپ کٹا۔ ولدرمٹا۔ وہ اس غائبانہ عنایت اور مدارات کے بہت مشکور اور احسانمند ہوئے۔ اتفاق یہ کہ بعد چندے وہ ہندوستان کے گورنر جنرل ہوکے آئے۔ آتے ہی آتے اُنھوں نے نواب کے یہ گوشگوار کرادیا کہ مین تو صرف آپکے معاملات کی درستی کے لیئے ہندوستان آیا ہوں۔ یہ خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ اکثر یہی بات زبان پر لائے۔ دوستوں دشمنوں میں چرچے ہونے لگے۔ آخر کسی بدخواہ نے موقع پاکے زہر دیدیا۔ شب بھر کرب و بیچینی رہی۔ دوسرے دن ۲۴ رجب روز دوشنبہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۸۱۴ء کو روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا" آہ شد گنج سعادت در زمین" تاریخ وفات ہوئی اور جنت آرامگاہ لقب ملا۔

سعادت علیخان کو ملکی مصلحت سے اگرچہ بہت دنوں تک بعید کفایت شعاری سے بسر کرنا پڑی۔ پھر بھی لکھنؤ کی زیب و زینت میں اُنھوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ اُنکے نام کا گنج ابتک آباد ہی۔ انکی بنائی اور بنوائی ہوئی کوٹھیوں میں سے بھی بعض ابتک موجود ہیں تعمیرات کی مد میں انھوں نے بہت کچھ خود صرف کیا بہت کچھ شہزادوں کو دیکے اُن سے صرف کرایا۔ اُنکے وقت کی عمارتیں ایک سلسلے سے شہر کے شمالی حصہ میں دور تک چلی گئی تھیں۔ اگرچہ اب انمیں بہت کم اچھی حالت میں رہگئی ہیں۔ پھر بھی اُنکی یاد تازہ کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ دلکشا۔ حیات بخش۔ دارالشفا۔ کنگرہ والی کوٹھی نور بخش۔ بادشاہ منزل۔ چینی بازار۔ ٹیڑھی کوٹھی۔ موتی محل۔ دلارام۔ خورشید منزل۔ فرح بخش۔ قصر السلطان اور بیلی گارد کی اینٹوں سے اب بھی سعادتعلیخاں کا نام و نشان چلا جاتا ہی۔ محمد باغ کو زمین وسیع سے گھیر کے رمنہ انھیں نے بنوایا تھا

حضرت عباس کی درگاہ کی تعمیر اور تزئین میں لاکھوں روپیہ انھیں نے صرف کیا تھا۔ تال کٹورے کی کربلا بھی انھیں کے عہد میں بنی اور شہر میں اربعین تک عزاداری کی رسم بھی اُنھیں کے زمانے کی نکالی ہوئی ہو

(۷) شاہ زمن غازی الدین حیدر

یہ نواب سعادت علیخاں کے بڑے بیٹے تھے۔ باپ کی عہد حکومت میں کچھ فطرتی نقص دماغی سے وارفتہ کچھ کثرت منشیات سے ست الست رہتے تھے۔ مدت تک باپ انسے اور یہ باپ سے آشفتہ و آزردہ رہے۔ دربار کا آنا جانا چھوڑدیا۔ ایک گوشہ عافیت میں خاموشی اور اطمینان سے بسر کرنے لگے۔ جب باپ کے "جنت آرامگاہ" ہونیکی خبر سنی فوراً دردولت پر پہونچے وہاں شمس الدولہ دوسرے بھائی دعویدار ریاست کا نقشہ جما نظر آیا لیکن اُنکے پہونچتے ہی ہوا کا رخ بدل گیا بیلی صاحب رزیڈنٹ نے انھیں کو مسند نشین کرکے پہلے شمس الدولہ سے نذر دلوائی۔ شلک چلی۔ سلامی اُترنے لگی۔ شہر میں منادی ہوگئی۔ سارے قضیئے طے ہوگئے۔ بہتیروں کی امیدوں تمناؤں پر پانی پھر گیا لیکن اب لوگوں نے نیابت کے واسطے خاک اُڑانا شروع کی۔ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں پڑ گیا۔ کسیکو خبر نہ تھی یہ ہمائے اوج سعادت" کسکے" دام" میں گرفتار کسیکے سر پہ سایہ فگن ہوگا۔ لیکن یہ معاملات تقدیری ہیں۔ اسمیں کشش و کوشش بے سود ہوتی ہو۔ اگرچہ بہتیرے قدیم الخدمت جاں نثار موجود تھے اور سب اپنے اپنے حقوق و خدمات پیش کر رہے تھے لیکن نواب کی نظر ایک نہ جمی۔ آغا میر سے دل ملا ہوا تھا۔ انھیں پر نگاہ پڑی قلمدان نیابت اور اسی کے ساتھ معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خاں ضیغم جنگ خطاب ہوا

دو گھڑی میں یہ عروج پاکر فناک سے پاک ہو گئے۔ ہر طرف طوطی بولنے لگا غازی الدین
حیدر کے عہد حکومت میں پھر نئی بساط بچھی۔ آصف الدولہ کے عہد کا نقشہ جم گیا۔ انکو
باپ کی وقت کا بھرا پرا خزانہ لٹانے کو ملگیا تھا۔ خوب کھل کھیلے۔ ایک تو خود ہمت عالی
رکھتے تھے۔ اُسپر نائب الریاست ملے وہ بھی اول درجے کے سیر چشم۔ دونوں نے
مل کے بجید ریاشی کی لاکھوں کے گھر بنگئے۔ مالا مال ہو گئے۔ سعادت علیخاں کی گاڑھی
کمائی کا روپیہ ارباب نشاط پر وقف ہو گیا۔ دولت و ثروت کی اس فراوانی اور ایثار سے
لکھنؤ میں گلی کوچے مینا بازار لگ گیا حسینان عالم جمع ہونے لگے حسن پرست بفکروں کے
دم قدم سے ہر طرف تازہ چہل پہل شروع ہوگئی۔ غازی الدین حیدر کو زمانہ بھی اچھا ملا تھا
حکومت پائی تو ہر طرح کے خرخشے سے پاک صاف پائی۔ ملک گیری کی بلند حوصلگی تو
عرصہ ہوا ختم ہوچکی تھی سعادت علیخاں کے عہد میں جو افکار جدید دست اقتدار یا اضافہ
قوت کے شروع ہوئے تھے اب وہ بھی باقی نہ رہے۔ ادھر لارڈ ہیسٹنگز کی گورنر
جنرلی کا زمانہ آگیا تھا۔ وہ ہر طرح سے اعانت و ہمدردی پر آمادہ تھے۔ سب سامان
فارغ البالی کے جمع ہو گئے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ سعادت علیخاں کے جمع کیے ہوئے
سترہ اٹھارہ کروڑ روپیہ نے نہیں معلوم کتنی تو تلوں کا نشہ پلا دیا کہ نواب و نائب بلکہ سارا دربار
متوالے کو دوں کہا گیا۔ اور متوالا ہو گیا عیش و نشاط کی بےٹرھی۔ خود فراموشی اور مستی
کا راج ہو گیا۔ اب نہ کوئی سرکش اور نادہند تعلقداروں زمینداروں کی خبر لینے والا رہا۔
نہ انتظامی بندوبست کا نگرانی کرنے والا۔ ناظم اور چکلے دار پھر لوٹ مار کرنے لگے۔ پرچہ
نویس اور اخبار نویس [illegible] جیب [illegible] لگے بیگمات شاہی اور اُن کے
ادنیٰ ادنیٰ متوسلین [illegible] رہ گئے

جسنے کسی محل سے کچھ سلسلہ ملایا۔ بازار حسن میں دلالی کی اُسی کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ ان باتوں سے دلسوزی اور دیانت سے کام کرنے والوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ ساری ترقی کا دارومدار جوڑ توڑ اور سازش پر آرہا۔ نہ صلۂ خدمت پر کسیکو نظر تھی۔ نہ قدر شناسی اہل کمال کا کسی کو خیال۔ ایک عجب عالم بے فکری و شادمانی تھا۔ ہر شخص اُسکے مزے لے رہا تھا۔ نتیجہ سوچتے کسی کو دیر نہ لگتی تھی۔ امید و آرزو کا سبز باغ ہر وقت ہر شخص کو شادمان و فرحاں رکھتا تھا۔ جو آج گردش زمانہ سے بگڑ گیا ہے اُسے بھی امید تھی کہ ہونی ہوکر دو گھڑی میں پھر وہی بنا بنایا ہو جائیگے۔ الغرض حاکم و محکوم سب ایک ہی رنگ میں سرشار۔ حصول اور فارغ البالی کی شراب سے مدہوش تھے۔ غنیمت اتنی تھی کہ اس انقلاب اور بےخبری کے حال میں بھی کچھ سنجیدہ اور فہمیدہ اشخاص دربار میں پہونچ گئے تھے۔ اور وہ بہت کچھ پولٹیکل معاملات کو سنبھالے ہوئے بہت سے ظاہر درست کیے رہتے تھے۔ درحقیقت انھیں لوگوں کی بدولت بقا و قیام ریاست تھا۔ ورنہ رئیس کی غفلت اور اہلکاروں کی بدکرداریوں سے جو ہوتا تعجب نہ تھا۔ انھیں سے مفتی خلیل الدین خاں (کاکوروی) اور جان علیخاں تاج الدین حسین خاں تھے جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے کا افلاطون و جالینوس تھا۔ زیادہ نمایاں تھے۔ انھیں کو معتمد الدولہ کے مزاج میں دخل بھی بہت تھا اور وہ انکی عقلمندی و فراست پر اعتماد کلی بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ بہت کچھ دارومدار امور ریاست کا بھی انھیں لوگوں پر تھا۔ انھیں میں سے مفتی خلیل الدین خاں صاحب کو سرکار انگلشیہ میں بھی بہت رسوخ حاصل تھا۔ اکثر ممبران کونسل اُنکے باپ قاضی القضاۃ نجم الدین علیخاں کے دوست بلکہ احسانمند تھے۔ انھوں نے معتمد الدولہ کو سمجھائی کہ جو خاندان علامہ کے بعد سے شکست ہوگیا ہے از سر نو قائم ہونا چاہیے چنانچہ معتمد الدولہ نے انھیں کو یہ کوشش سپرد کی۔ جب اُنکے مساعی مشکور ہوئیں تو معتمد

سرکارین ہونیکی وجہ سے وہی کلکتہ میں سفیر شاہ اودھ مقرر ہوئے۔ یہ زینبی سامان ایسے جمع ہو گئے جنسے انگریزی گورنمنٹ سے رابطۂ اتحاد و وداد اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں لارڈ ہیسٹنگ دہلی گئے وہاں محمد اکبر شاہ کی بعض بے عنوانیوں سے کچھ ایسا رنج پہونچا کہ آزردہ ہو کے پلٹے تو یہ دل میں طے کرکے پلٹے کہ اب کوئی جوڑ بھڑکانا اور شاہ عالم پناہ کو جلانا چاہیئے۔ چنانچہ مستقل ارادہ کر لیا کہ کمپنی کو اب اس ملک میں تاج بخش بننا چاہیئے۔ اب انتخاب ہونے لگا کہ کون اس منصب کے شایاں ہے۔ سب سے پہلے اودھ پر نظر پڑی لیکن یہ مسئلہ نازک تھا طرح طرح کی دقیق مشکلیں ایسی حائل تھیں کہ نہ تو یہ سخن نہ زباں پر آسکتا تھا نہ تحریر میں لا سکتے تھے مفتی خلیل الدین صاحب کو اسکی سن گن ملگئی۔ انکو تو اپنے آقا کی عزت افزائی و سربلندی کے ایسے موقع کی تلاش ہی تھی فوراً معتمد الدولہ کو خبر کی۔ چنانچہ یہاں سے گورنر جنرل پاس تحریر پہونچی سیتفسار پوچھا گیا کہ اگر ہم لوگ خود بادشاہی کا خطاب لیں تاج و تخت کے مالک بنیں۔ اپنا سکہ جاری کریں تو کمپنی کسیطرح خلل انداز تو نہو گی۔ گورنر جنرل نے کورٹ آف ڈائرکٹرس سے پوچھا۔ وہاں سے جواب ملا کہ انھیں اختیار ہے جو چاہیں کریں کسیکو رخنہ انداز ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ ۸ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ روز شنبہ مطابق ۱۸۱۹ء کو نواب غازی الدین حیدر تخت نشیں ہوئے۔ ابوالمظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی خطاب ٹھہرا ایک کرور روپیہ میں تخت و تاج۔ سامان شاہی و اسباب جلوس مرتب ہو گیا جشن ہونے لگے۔ شادیانے بجنے لگے۔ معتمد الدولہ کو بھی وزیر اعظم کا خطاب ہو گیا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ کہی "شاہ اسکندر وزیر ارسطاطالیس" اگرچہ واقف کار جانتے ہیں کہ کس حد تک شاہ اسکندر گیتی ستاں تھے اور وزیر ارسطوے دوراں۔ لیکن شاعرانہ نظر سے یہ بھی

گر ضرورت بود روا باشد"۔ البتہ دونوں کی فیاضی۔ وسیر چشمی۔ جود وسخا کی جسقدر تعریف کیجائے بجا ہے۔ بادشاہ تو خیر بادشاہ ہی تھے معتمد الدولہ کی ہمت عالی اور رفقا پروری سے جو دریا کرم جوش میں آیا تھا اُس سے ہزاروں تشنہ کام سیراب ہوگئے۔ ایک میر سید علی صاحب نے مسخرگی میں گیارہ برس رفاقت کی جودہ لاکھ کمایا اُڑایا۔ محمد خاں خدمتگار نے نو مہینے کی خدمت کے صلے میں چالیس ہزار روپیہ یکمشت پایا۔ اسی طرح لاکھوں روپیہ رفیق رفقا کو ضرورت کے وقت دیا۔ ہزار ہزار روپیہ کے شال دوشالے معمولی خدمتگاروں کو بخشے بیٹے کی شادی اس دھوم دھام۔ تزک و احتشام سے کی کہ لاکھوں روپیہ صرف کر ڈالا۔ اور یہ ہوا کہ اس شادی میں ہزار ہا رقعے جو ایک پیسہ کو ملتا ہے پندرہ ہزار روپیہ کا صرف ہوا۔ روشن الدولہ سمجھی نے شربت پلائی کے وقت نواب کی ہمت عالی کو آزمانا چاہا۔ انھوں نے فرمایا کہ تمنے سولہ لاکھ روپیہ جو تمھاری نظامت میں باقی ہیں اس شربت پلائی میں دیئے"۔ طرہ یہ کہ جب بادشاہ کو یہ خبر گزری انھوں نے وزیر سے پوچھا۔ عرض کی حضور روشن الدولہ نے اسی پر قناعت کی۔ اگر کچھ تامل کرتے میں زر تحصیل دوسرے سال کا بھی دیدیتا۔

شاہ و وزیر کی اس سیر چشمی سے انگریزوں کے بھی بہت کام نکلے۔ چنانچہ جب برہما کی لڑائی چھڑی۔ کمپنی کو روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ مفتی خلیل الدین خاں نے بادشاہ سے تحریک کی اور ایک کروڑ روپیہ بطور قرض موبد کمپنی کو دلایا جسکا منافع پانچ لاکھ سالانہ ٹھہرا اور یہ طے ہوگیا کہ ہمیشہ ان اشخاص کو ملا کریگا جنکے نام دستاویز وثیقہ میں لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح جب نیپال سے لڑائی چھڑی تب بھی بادشاہ نے ایک کروڑ روپیہ قرض دیا لیکن اسکے معاوضے میں کھیری گڑھ اور ترائی کا ملک کمپنی نے بادشاہ کے سپرد کر دیا۔

مفتی خلیل الدین خاں کے شہباز فکر کی بلند پروازی نے گورنر جنرل اور ممبران کونسل ہی تک قناعت نہ کی - ولایت تک کی خبر لی - اُنھوں نے بادشاہ کو باغفا لکھا کہ "اگر آپ اور شاہ جم جاہ انگلستان سے راہ و رسم ارسال ہدایا و تحریر محبت نامہ ہو جائے - غالب ہے کہ بہت سی مطلب براری بے منت و بسہولت ہو سکے گی" چنانچہ یہاں سے ایک مسہری طلائی بہت پر تکلف اور لکھنؤ کی مغرق گرگابی اور ایک تلوار ولایتی جسے نواب آصف الدولہ نے پچاس ہزار روپیہ کو خریدا تھا - اُسکا قبضہ مرصع کار - ڈاب کمر بہت بھاری اور بعض اسباب تحفہ اور پٹی تلوار جسمیں ہزار کا جواہر نصب کیا تھا مع محبت نامہ شاہی باغفا کلکتہ بھیجا وہاں سے باغفا معرفت تاجران نامی کلکتہ روانہ ولایت ہوا - بسلامت بادشاہ تک گزرا اُسے ہدیۂ بے تکلف و بے منت سمجھکے قبول کیا اور جواب محبت نامہ بکمال تہذیب از آداب و القاب و عبارات شوقیہ عنایت ہوا اور آخر مضمون یہ تھا کہ تم سب طرح سے اپنے ممالک محروسہ میں مالک و مختار رہو - اور ایک گھوڑا ولایتی خانہ زادان شاہی سے جسکی قیمت ولایت میں کئی ہزار تھی مع زین طلائی - دامنی مغرق - جوڑی تنیچہ قبور کا طلا - اور کئی بندوق سازہ طلا اور کئی گھڑیاں مع زنجیر جواہر نگار مجموع مالیت لیک لاکھ روپے کی معرفت نواب گورنر جنرل بہادر بھیجا گیا"

لیکن افسوس یہ ہے کہ غازی الدین حیدر کی قسمت میں اس جواب باصواب آئینی مسرت سے لطف اٹھانا نہیں لکھا تھا جسوقت یہ ہدیہ ہندوستان میں پہونچا ہے - اُسوقت بادشاہ خلد مکاں ہو چکے تھے - وہ کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا - یہ سعی مشکور ہو سکے پھر بھی نامشکور ہی رہی - وہ لوگ ہی باقی نہیں رہے تھے جو اسکی قدر شناسی کرتے -

غازی الدین حیدر کا زمانہ اودھ میں ایک طرح سے سکون و اطمینان کا زمانہ تھا کہ

بیرونی خرخشوں اور چھیڑ چھاڑ سے پاک صاف رہی۔ انگریزوں سے کبھی ان بن نہیں ہوئی
بلکہ محبت کے پینگ انگلستان تک بڑھے۔ ایسے چاہے نیکدل بادشاہ کی خوش اقبالی کہو چاہے
فیاض طبیعت وزیر کی چشم پوشی دریادلی کا بدلہ سمجھو اور چاہے عاقل و زیرک مشیروں مصلاح
کاروں کی حسن تدبیر و فراست پر محمول رکھو۔ بہر صورت رعایا برایا کی خوشحالی و شادمانی کا دورہ
تھا۔ شہر کے باشندے چین سے گھروں میں پاؤں پھیلا کے سوتے تھے عیش و نشاط سرور
انبساط کے سوا کسی کو کچھ فکر نہ تھی۔ سونے چاندی و رنگے موتی لعل و زمرد کی یہ ریل پیل
تھی کہ سب کی آنکھوں کے پردے پھٹ گئے تھے۔ دولت دنیا کی کچھ حقیقت کسی کی نظر و میں
نہ رہی تھی۔ بے محنت و بے مشقت چھپر پھاڑ کے دولت برس رہی تھی قدر کیا ہوتی۔

اس دور حکومت و بادشاہت میں شہر کی تزئین میں خود بادشاہ نے بہت کچھ صرف
کیا اور معتمد الدولہ نے تو آصف الدولہ کا نام روشن کر دیا پچاس لاکھ روپیہ لگا کے اُنھوں
نے ایک امامباڑہ بنوایا تھا۔ اِنھوں نے بھی پچاس لاکھ صرف کر کے کوٹھیوں محلسراؤں
کا ایک جنگل بنا کے کھڑا کر دیا۔

غازی الدین حیدر کے وقت کے موتی محل اور شاہ نجف سعادت علیخاں اور اُنکی بیوی کا مقبرہ
ابتک اچھی حالت میں ہیں۔ باقی شاہ منزل مبارک منزل۔ قدم رسول کی عمارتوں کا تو
نام و نشان بھی باقی نہیں۔

اسیطرح فرح بخش اور لال بارہ دری کے درمیان بادشاہ نے ایک نہر بھی نکالی تھی
اُسکے واسطے سولہ گھوڑے کی قوت کا ایک انجن منگایا تھا جسکے ذریعے سے دریا سے
پانی نہر میں آتا تھا۔ اب نہ نہر باقی ہے نہ نہر سے پیاس بجھانیوالے۔

غازی الدین حیدر پینتالیس چھیالیس برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے تھے۔ قوی

اچھے تھے۔ آرایش مکاں میں خاص سلیقہ رکھتے تھے اور اس باب میں ایجادیں کرتے تھے لیکن پرہیز بہت تھے یہی بدپرہیزی رنگ لائی۔ اسہال میں مبتلا ہوے اور ایسے ہوے کہ یہی روگ مرض الموت ہوگیا۔ آخر۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو روح ریاض جنت کو سدھاری قالب خاکی کو چھوڑ گئی دوسرے دن امامبارہ نجف اشرف میں دفن کیے گئے کسی نے تاریخ کہی ہے۔

گشت تاریخ مصرعۂ استاد — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

شاہ زماں نصیر الدین حیدر

انکا خطاب سلیمان جاہ تھا۔ غازی الدین حیدر کے بیٹے تھے۔ ۲۲ جمادی الاول ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء کو مساۃ صبح دولت مخاطب بخطاب ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوے صغر سنی ہی میں ماں کے آغوش شفقت سے اجل نے محروم کر دیا۔ بادشاہ بیگم صاحبہ نے اپنی اولاد بنا کے پالا۔ انکے سایۂ عاطفت میں زمانہ شاہزادگی بعیش وکامرانی بسر کیا لیکن کچھ موجودہ سامان عیش وراحت کچھ آئندہ کی امیدوں نے سرشار کیا کہ کھل کھیلے۔ ایک تو خلقی طور تنک مزاجی ... زود رنجی ... دوسرے شایان تعلیم وتربیت۔ ہر بات پر اصرار آمیں اسپر جوانی کے جوش شباب کی امنگیں۔ ہر وقت کا سرور۔ عادتیں بگڑنے لگیں بیہودہ مشاغل شروع ہوگئے۔ ... اچھا نہ اٹھا۔ یہ رنگ دیکھکے بادشاہ بہت کڑھنے اور آزردہ رہنے لگے لیکن انہیں شاہزادے کی ... نہ تھی۔ انھوں نے آنکھ کھول کے جو دیکھا تو یہی دیکھا کہ سارا شہر رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ حاکم اور محکوم۔ راجہ اور پرجا سب عیش وعشرت میں پڑے ہوے ہیں انھیں بھی ابتدا ہی سے دید وادید کا لپکا پڑا۔ آنکھ اچھی صورت دیکھنے کی

آرزومند ہوئی تو کان سریلی صدا کے سننے کے مشتاق۔ دل چاند سے کھڑے کی رونمائی کے لیے وقف ہوا تو جان کیسکے اوپر جانے کے واسطے ہر وقت ہتیلی پر رہنے لگی۔ باپ کو رتق و فتق سلطنت میں دماغ سوزی کرتے ایک دن نہ دیکھا پھر انھیں از خود یہ درد سر خریدنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔ پھر بھی باپ باپ ہی تھے بیٹے کے یہ اطوار کیسے پسند کرتے اسی طرح یہ ہوا کہ غماز دل نے موقع پا کے خوب نون مرچ لگایا۔ اور باپ کے دلمیں بیٹے کی طرف سے دیوار اٹھا دی بیگمصاحبہ شاہزادے کی حمایتی نہیں وہ بھی معتوب ہوئیں۔ اسی کشاکش میں ایک بار صف آرائی کی نوبت پہونچی۔ انگریزی رزیڈنٹ نے بیچ بچاؤ کیا آخر شاہزادے کو لے کے بیگمصاحبہ شہر کے باہر ایک باغ میں رہنے لگیں۔ اب میدان خالی پا کے حریفان غماز نے بڑے بڑے جوڑ مارے۔ شاہزادے کو تخت و تاج کیا معنے متاع زندگانی سے محروم کر دینے کی کوشش کی۔ لیکن سے

چراغے را کہ ایزد برفروزد کسے کو پف زند ریشش بسوزد

سب منھ کی کھائی۔ ایک کی مراد نہ بر آئی۔ وہ شمع کاشانۂ اقبال عین شباب۔ اٹھتی جوانی میں جبکہ دوالی کے چراغاں سے سارا شہر منور تھا۔ بزم افروز ایوان سلطنت ہو گیا یعنے بادشاہ کے خلد مکاں ہوتے ہی بیگمصاحبہ در دولت پر پہونچ گئیں۔ شہزادے کے سوا اور کوئی دعویدار سلطنت نہ تھا۔ لہذا انگریزی رزیڈنٹ نے فوراً تاج شاہی سر پر رکھ دیا نذریں گزرنے لگیں سلامی کی توپ چلی۔ شادی مبارک کی دھوم مچی۔ ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ سلطان عادل نوشیروان زماں حضرت شاہ زماں نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی خطاب ہو گیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت کے کارنامے مورخانہ تحقیق و تنقید کے شایاں نہیں

ہاں ناول میں لکھے جائیں - تو ناظرین کی دلچسپی کا بہت اچھا سامان جمع ہو جائے - اس لیے ہم چند خاص واقعاتِ تاریخی قلمبند کر کے اپنے ناظرین کو اُسوقت کی ایک سرگزشت سناتے ہیں - یہ سرگزشت بادشاہ کے ایک یورپین مصاحب نے لکھی ہی جسنے کئی برس کے قیام لکھنؤ میں یہاں کے ظاہری و باطنی حالات سے اچھی واقفیت حاصل کی تھی - اُسکی صداقت بیان کا اندازہ ناظرین کی رائے پر چھوڑ کے اتنا کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہی کہ جزئی اختلافات یا ناموں کے تغیر کے سوا اور جہانتک تحقیق کی گئی اکثر واقعات کی تصدیق تاریخ اور روایت سے بخوبی ہوتی ہی -

نصیر الدین حیدر بادشاہ کی تخت نشینی کا پہلا کارنمایاں یہی تھا کہ سامان عیش و عشرت کے جمع کرنے پر مقربان بارگاہ مصروف و منہمک ہو گئے - ایک سو کئی طائفہ ارباب نشاط کے (جو سر آمد چکلہ تھے) ملازم ہو گئے - دولاری فیلبانی (جسکا خطاب ملکہ زمانیہ ہوا) کا موافق عہد و میثاق ولیعہدی دورہ دورہ ہوا - چھ لاکھ کی جاگیر مقرر ہوئی - پھر والٹر کی بیٹی مخاطب بخطاب مخدرہ علیا کی باری آئی - چھ لاکھ کی جاگیر اُنکی بھی ہو گئی - انکے بعد خورشید محل (جنکا خطاب بعد چندے تاج محل ہوگا) کا نمبر آیا چھ لاکھ کی جاگیر اُنکو بھی ملی - اسی کے ساتھ ہی بادشاہ بیگمصاحبہ کی جاگیر سلون نو لاکھ کی جسے معتمد الدولہ نے ضبط کر لیا تھا بحال ہو گئی - پھر جب بادشاہ نے انگریزوں کو باسٹھ لاکھ قرض دیا تو اُسکے سود سے ملکہ زمانیہ کا چودہ ہزار مخدرہ علیا اور تاج محل کا چھ چھ ہزار ماہوار وثیقہ ہوا - ان سب پر مستزاد قدسیہ بیگم کا دور دورہ ہوا جنکی جودوسخا لاکھوں کیا معنی کروروں پر بند نہ تھی - کچھ کم چار برس کے عرصے میں چار کرور روپیہ خرچ کیا - موت نے جلد خبر لی ورنہ سلطنت نیگ لگجاتی - ان جاگیرات و وثایق کے علاوہ ہر ایک صاحبات محل کے متوسلین - اعزا اقربا کے بیش قرار

مشاہرے مقرر ہو گئے۔ وہ لوگ جو نان شبینہ کو محتاج تھے جنھیں سفید کپڑے چمڑے کی جوتی میسر نہ تھی۔ فیل نشین ہو ہو کے نکلنے لگے۔ اللہ اللہ۔

خانہ تھا گنجفہ کا ہر اک قصر شہر عشق گھر گھر تھیں بادشاہیاں گھر گھر وزارتیں

ان دونوں کی وجہ سے شہر میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ اظہار دولت وثروت نمود جاہ وحشمت سے ہر کوچہ و برزن میں ایک بہار آگئی۔ امرائے دولت واعیان سلطنت کے جلو سواری کے کروفر سے ہر طرف رونق تازہ پیدا ہو گئی۔ کہیں راہ گلی میں نوبت ونقارہ کی صدائیں۔ ماہی مراتب کی شوکت وشان سے چشم وگوش لذت اُٹھاتے۔ کہیں یاران بے تکلف کی صحبت میں نا ؤنوش کی آوازوں اور پری پیکروں کی جلوہ نمائی سے دل ودماغ پر عالم سرور وسرخوشی طاری ہوتا۔ القصہ بیفکری اور بے اندازہ دولتمندی سے جو سامان جمع ہو سکتے ہیں سب جمع ہو گئے تھے۔ ہر شخص بحال خود شادان وفرحاں تھا۔ اسکی کسے پروا تھی کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور خلقت پہ کیا گزر رہی ہے۔ خود بادشاہ سلامت کو تخت پر بیٹھتے ہی بیٹھتے جو خیال ہوا بھی تو اسی قدر کہ کسیطرح معتمد الدولہ کو معزول بلکہ ذلیل وخوار کر کے کینۂ دیرینہ کا انتقام لینا اور دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہیئے۔ چنانچہ جب دسمبر ۱۸۲۷ء میں لارڈ کومبرمیر کمانڈر انچیف افواج انگلشیہ تشریف فرمائے لکھنؤ ہوئے تو اُنکا واسطہ دیکے صاحب رزیڈنٹ کو آمادہ کرایا۔ بالآخر رزیڈنٹ صاحب کے ہاتھوں یہ مہم سرانجام ہو گئی۔ یعنی نواب زیر حراست ہو گئے۔ بادشاہ سلامت اب خود مہمات سلطنت پہ متوجہ ہوئے چند روز میں یہ لہر جاتی رہی۔ بعد چندے جب اعتماد الدولہ میر فضل علیخاں کو منصب وزارت پہ سرفراز کر دیا پھر وہی ہجو دی وہی رندی سیہ مستی شروع ہو گئی۔ اعتماد الدولہ نے چند روزہ وزارت میں ایک کرور روپیہ کما لیا لیکن دربار کا رنگ بدلا دیکھ کے بسبب خودداری کنارہ کشی اختیار

کی۔ زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ اسی زمانے میں بادشاہ کی صحبت میں کچھ یورپین لوگ زیادہ دخیل ہو گئے تھے۔ یہ پانچ آدمی تھے جنکے نام مسٹر ہلٹن نے یہ لکھے ہیں۔ ڈی رسسٹ حجام مسٹر رائٹ معلم۔ مسٹر مانٹر مصور و مطرب۔ مسٹر کرویلی مہتمم کتب خانہ۔ اور کپتان مگنس۔ انمیں سے ڈی رسسٹ بہت زیادہ منھ لگا تھا۔ ایک روز بحالت مخموری بادشاہ کے سامنے اپنی بیہودگی سے حرکات مسخرگی کر رہا تھا۔ اعتماد الدولہ بھی موجود تھے۔ بادشاہ نے اُنسے کہا کہ تم اس سے ہنسو۔ انھوں نے کچھ چھیڑا۔ اُسنے جواب سخت دیا۔ بلکہ پگڑی پر دست درازی کی۔ اسپر انھوں نے بادشاہ سے شکوہ کیا اور بہت آشفتگی ظاہر کی۔ بادشاہ ٹال گئے انھیں ناگوار ہوا۔ کلمات نالائم کہکے چلے آئے پھر دربار نہ گئے۔ بہت بلائے گئے لیکن انھوں نے قدم گھر سے نہ نکالا۔ آخر خود بادشاہ سلامت تشریف لیگئے۔ دروازے پر کھڑے رہے جب وہ گھر سے نکلے تو اپنے ہمراہ خواصی میں بٹھا کے لائے۔ خلعت کا حکم ہوا لیکن انھوں نے بمنت سماجت اپنی گلو خلاصی کرائی۔ وزارت چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کی بعد چندے مر گئے۔ اب نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا۔ یہ از حد منتظم جز رس۔ کفایت شعار۔ ذہین و ہوشیار تھے لیکن افسوس ہے کہ انھیں زمانہ اچھا نہ ملا۔ انھوں نے انتظامات تو بہت کرنا چاہے۔ لیکن ایک نہ چلا تخفیف اور سخت گیری نے اتنی نفرت۔ بد دلی اور برہمی عوام کے قلوب میں پیدا کر دی کہ جس سے ایک دن بھی انتظام کی چول نہ بیٹھی۔ البتہ انھوں نے لکھنؤ میں چند کام انگریزوں کے خوش کرنے یا دنیا کو اپنی روشن خیالی دکھانیکے لیئے کئے اور وہ ہو بھی گئے۔ یعنے اول تو ایک دار الشفا انگریزی اور یونانی علاج کی قائم کی اور اُسکے واسطے چھ لاکھ روپیہ گورنمنٹ کے خزانے میں تفویض کر دیا جسکے منافع سے یہ دونوں اب تک چل رہے ہیں۔ دوسرے لیتھو گراف کا

ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے واسطے قایم کیا۔ تیسرے لوہے کے پل کی طیاری شروع کردی۔ چوتھے گنگا سے نہر منگانے پر بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ پانچویں ایک محتاج خانہ قایم کیا۔ اُسکے اخراجات کیواسطے بھی کچھ روپیہ کے نوٹ خریدے گئے۔ ایک رصد خانہ سلطانی بنوایا۔ نواب منتظم الدولہ ہی کے عہد وزارت میں نواب معتمد الدولہ کے خارج البلد کرنیکا مسئلہ گورنمنٹ سے یوں طے پاگیا کہ نواب معہ اہل وعیال و مال واسباب رزیڈنٹ کی حفاظت میں شہر سے باہر کسی مقام پر عملداری سرکار میں جاکے رہیں۔ انکی دعاوی کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ یعنے بائیس لاکھ روپیہ جو بابت ضمانت تنخواہ وغیرہ خزانہ رزیڈنٹی میں جمع تھا اور مجموع املاک جسکی تعمیر میں ایک کرور سے زیادہ صرف ہوا تھا دس لاکھ کی محسوب کر کے مجموع تبتیس لاکھ روپیہ دیدیا گیا اور اکتوبر ۱۸۳۰ء میں وہ روانہ کانپور ہو گئے۔ تیصرالتواریخ کے مصنف نے تو نواب کی نقد وجنس کا تخمینہ صرف دو کرور روپیہ کیا ہی لیکن ہٹن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ نواب کا اسباب آٹھ سو چھکڑوں اور بے شمار اونٹوں ہاتھیوں پر بار ہو کے کانپور گیا۔ جسکی قیمت تخمینی پچیس کرور روپیہ تھی۔ اصل حال خدا جانے۔ اتنا ضرور ہے کہ معتمد الدولہ کے وقت میں سلطنت کی ساری آمدنی انھیں کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ بادشاہ کو لٹانے کے واسطے سعادت علیخاں کی جمع کی ہوئی دولت کیا کم تھی کہ وہ حساب لیتے۔

نواب منتظم الدولہ کی غیر ہر دلعزیزی عوام کے احاطے سے نکل کے خواص تک پہونچی۔ حتے کہ صاحب رزیڈنٹ سے بھی بے لطفی ہو گئی۔ اُدھر محلات شاہی بھی اُن کے غرور وتمکنت سے بیچ رہنے لگیں۔ اور وہ بھی بلند پروازی دکھانے لگے یعنے ولیعہد تو ولیعہد خود بادشاہ سلامت پر آڑے آنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے معتوب

تھے سلطانی ہوئی تھی موقوف کر دیئے گئے لیکن انھوں نے اسی مدت قلیل میں دولت
فراوان جمع کر لی تھی۔ اُن کی آمدنی کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نادرات صاحب
لکھتے ہیں کہ اُن کو وزارت کی تنخواہ تین لاکھ سالانہ ملتی تھی اور اسکے علاوہ
ابواب الحفاظ کی یہ صورت تھی کہ تمام اعلیٰ عہدہ داران سلطنت کی تنخواہوں سے ایک ربع
وضع ہوکے اُنھیں ملتا تھا جسکی میزان تخمیناً سترہ لاکھ سالانہ ہوتی تھی یعنے کل بیس لاکھ
سالانہ آمدنی تھی۔ اور پھر اسکے علاوہ جو متفرق رقوم ملتے تھے اور وقتاً فوقتاً جو عطایائے شاہی
ہوتے تھے اُنکا کوئی حساب نہ تھا۔

نواب منتظم الدولہ کے بعد نواب روشن الدولہ وزارت پر سرفراز ہوئے۔ یہ معتمد الدولہ کی رفاقت
کے جرم میں بیشتر معتوب تھے۔ اور اب اُنکی معزولی کے سبب اُنکی بسر اوقات بھی مشکل ہوتی تھی لیکن
منتظم الدولہ کے بعد انھیں کا ستارہ چمک گیا اور اس منصب جلیلہ پر سرفراز ہو گئے کہتے ہیں جب یہ
صاحب رزیڈنٹ کی نذر کو گئے تو انھوں نے کمال دردِ دل سے فرمایا کہ "ہمیں تعجب ہے کہ تم نے وزرائے ماضیہ کا حال
بخوبی دیکھا ہے۔ پھر بھی دیدہ و دانستہ اس عہدۂ مستعار کو اختیار کیا۔" نواب نے عرض کی کہ "مرتا کیا
نہ کرتا۔ اب میرا حال فاقہ کشی میں عرصے سے گزر چکا تھا۔ سرکار سے کچھ مقرر نہ تھا۔ نہ مال و متاع میرے پاس رہا
تھا اور نہ کہیں سے قرض مل سکتا تھا۔ یہ صورت سامانِ موت کا تھا۔ میں نے اس خیال سے اختیار کیا
کہ اب نواب وزیر اعظم مشہور ہوکے مروں تو بہتر ہے۔"

خاتمۃ الکتاب

معزز ناظرین۔ اودھ کے فرمانروائوں کے مجمل اور نصیر الدین حیدر کے مفصل حالات اور بادشاہی کی کیفیت آپ سن چکے اور اچھی بری رائے بھی قائم کر چکے بقیہ فرمانرواؤں کے حالات بھی انشاءاللہ دوسرے حصہ مین شایع کیے جاویں گے اب ذرا تصویر کا ایک اور رخ ملاحظہ کیجیے دیکھیے ایک محب وطن کس حسرت اشتیاق اور جوش سے اپنے بادشاہ کی تصویر الفاظ میں کھینچتا ہی۔ اُسکے جذبات حب الوطنی آنکھوں کو نہ دوسری طرف متوجہ ہونے نہ دل میں نکتہ چینی کی ہوا لگنے دیتے ہیں اُسے سب بھلا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

ستائیسویں ربیع الاوّل یوم شنبہ ۱۲۴۳ھ اور بیسویں اکتوبر ۱۸۲۷ء تھے کہ زیب دہ اورنگ شاہی ہوا اور بعد پدر مرزا غازی الدین حیدر جلوس میمنت مانوس سریر سلطنت پر کیا اُس سن وسال میں بادشاہی ہاتھ آئی۔ فرمانروائی فرمائی کہ شاہانِ گذشتہ کو جسکی تمنا ہی میسر نہ آئی جوان بخت وجوان دولت جوان سال پچیس برس کا سن عین شباب۔ جوانی کی آب وتاب۔ مزے کے دن تھے کہ تخت وتاج ہاتھ آیا۔ زیست کی کیفیت۔ حکومت کا لطف خوب اُٹھایا۔ جلسہ وہ موجود رہا جو محمد شاہ کو نصیب نہوا۔ ہزار ہا پری پیکر۔ حور وش سیمتن گلبدن نازک اندام با لباس پر تکلف در زرہ بزمرۂ خدام دست بستہ حاضر رہیں۔ گلاب وکیوڑہ تو کیا عطر کی نہریں بہیں۔

مکان و باغ ہر اک بہشت کا نمونہ۔ گلشن شدّاد سے طیاری میں دونا۔ روپیہ
اشرفی کے گنج خالی کر دیے محتاجوں کے گھر بھر دیے۔ گلشن شباب بسکہ لہلہا رہا تھا
پھولوں کا یہ صرف رہا کہ ہزاروں باغ سرکاری عجیب روش و غریب طیاری کے تھے
اسپر کئی سو روپیہ روز کے بازار سے آتے تھے صبحکو فراشنیوں کے ہاتھ چاندی کے
ڈھیر لگجاتے تھے۔ جلسے والیاں نادر زمانہ شہرۂ آفاق۔ گائنیں پری پیکر موسیقی میں
یکتا۔ دلبری میں طاق۔ انکے علاوہ ہزاروں مہ سیما۔ رشک مہر کمسن۔ انکی لاؤبالیاں
اُمنگ کے دن۔ کماریاں۔ پری کی صورت ہمیشہ ہوادار مثل سلیمان علیہ السلام ہوا پر رہا
ناز و انداز نے بر سر زمیں پاؤں نہ لگنے دیا۔ اکثر سپہر کو چمن بندی معشوقان طناز و
گلعذار ہوتی ظرین کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ مدام اُس تختہ گلفام پر لالہ داغ کھاتا۔ سنبل اُنکی
زلف مسلسل دیکھکے پریشان مسّی کی دھڑی کی دید میں رد سے سوسن کبود تھا۔ مدح کو سوزبان
سے موجود تھا۔ نرگس کی اُن آنکھوں پہ ٹکٹکی رہتی تھی۔ دیدۂ آہوے ختن سے خون کی
ندی بہتی تھی۔ زنخداں دیکھکے سیب کا دل ڈوب جاتا منھ میں پانی بھر آتا تھا بہی کا ضرر
ہوتا۔ دھبا لگ جاتا تھا۔ سو طائفہ دیہاتی اور سو شہر کا چیدہ نوکر تھا۔ تین پہر بجے یہ سب
موجود ہوے پچیس پچیس طائفوں نے ایک رنگ کے جوڑے عنایت سرکار باغ و
بہار پہنے۔ اور زیور بھی مناسب میل کا معلوم ہوا کہ چمن رواں ہے۔ بلکہ پھولوں میں
یہ نزاکت و لطافت روش رفتار۔ تکلف گفتار۔ طرز و انداز۔ غمزہ و ناز کہاں
ہے۔ اور بھانتی۔ چونے والیاں۔ نٹنیاں وضع کی نرالیاں۔ قوال بین کار۔ ربابیے
سرودیے یہاں تک کہ ریچھ والے قلندر اور بکرابند بھی موجود رہتے۔ کمرے میں
سامان عیش تیار۔ انگریزی میز ایک سے ایک تحفہ پرنقش و نگار۔ جہاں تک پیک نگاہ

ہوا سے گلدستہ بندی پاسے گرد طشریاں قابوں [illegible] شام پہنچے قریب زرق
ہوا کیے جو [illegible] کا پہ تختہ بولیاں بادام پستے بچھے متصل اسکے نعمت بے شمار طرح
طرح کے پلاؤ۔ دو پیازے۔ متعدد پکوان بے حساب بورانی بھرتہ چٹنی۔ اچار۔ ہر گلدستے
تلے اتنا سامان کہ دوسری طرف ہاتھ بڑھانے کی نوبت نہ آئے جس شے کی خواہش
ہو کھائے۔ کمرہ دولھن کی صورت کا سجا۔ جھاڑ کنول۔ فانوس ہوشربا۔ پردوں میں
سیہ پوش۔ گوکھرو۔ بادلہ۔ چکا چک فرش سے تا سقف ہوا آئینہ بندی [illegible]
اگر دیکھتا حیرت آتی۔ اپنی سلطنت بھول جاتی۔ جب یہ نظر آتا تو [illegible] ہزار پاؤ۔
درعہ خود بدولت رونق افزا ہوئے ادھر یہ پوشاک ناچ ہونے لگا۔ کرسی کے ساتھ
انگریزی باجے بجنے لگے۔ قوال [illegible] کا ساز ملا اپنے لگے جو اند۔ باہر دماغ [illegible] اپنے
کام میں مشغول حضور اکل وشرب میں متوجہ ہوئے کسی کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے ان کے
لطف آئینوں میں نظر آتے تھے۔ اب جسکا بخت مددگار اور طالع یار ہوا اس کو
قریب بلایا کچھ کھلایا پلایا اور جو اختلاط منظور ہوا تو اسکا دلدر دور ہوا۔ آیا [illegible] میں
نمایاں کیا۔ دولت دنیا سے مالامال کیا۔ ایک دن میں پانسو جوڑی جواہر نگار کپڑے
کی نذر ہم ہاتھوں میں رنڈیوں کے بٹے نصف شب گذری صحبت موقوف یہ
قافلہ روانہ ہوا وہ جو جلسے والیاں اور محل کی گائنیں پری وش ذی ہوش سرخ
پوش تھیں انکا آنا ہوا۔ کوئی تلوے سہلانے لگی کوئی پنکھا ہلانے لگی کسی نے کہانی
شروع کی۔ کوئی [illegible] گنگنانے لگی۔ کوئی شعر پڑھنے لگی۔ کوئی پاؤں دابنے کے بہانے
سے دبے پاؤں پڑھنے لگی۔ اب اسمیں جسکا نصیب جاگا وہ اپنا حصہ لے بھاگا
دم صبح جب بیدار ہوئے سیر کو سوار ہوئے پھر وہ دنیا [illegible] سامان۔ غرضکہ

ہر شب شب برات جو دن تھا محرم کے سوا عید تھی ہر دم بڑی خوشی دیدنی تھی۔ قابل دید یہ جلسہ تھا۔ خوشا نصیب اُسکے جسکی نظر سے گذرا ہمت کے روبرو حاتم بخیل تھا تو مالک قلیل تھا چشمۂ فیض سدا جاری تھا۔ لینے والا عاری تھا جس جس کی قسمت میں لکھا تھا۔ الماس و زمرد کا گہنا تھا۔ قدسیہ محل پر طبیعت جو آئی۔ خاک سے پاک کیا دو گھڑی میں آسمان پر بارگاہ پہونچائی۔ جاڑے کی فصل میں لاکھ روپیہ مہینے کی تین رضائیاں بنتی تھیں۔ گرمیوں میں اُنکی ہوا معلوم نہوتی تھی کہ کیا ہوئیں۔ ملکہ زمانیہ اور مخدرہ علیا او رتاج محل ان سب کا خرچ رہا اور ناز تیست رہیگا۔ احتیاج قریب نہ آنے گی کئی پشت اُنکی مزے اڑائیگی ڈلوی اور دھنیا کماریاں تھیں۔ دس یا پنچ لاکھ روپیہ اُنکی نگاہ میں نہ سمایا یاروں کو کھلایا۔ مکا خیاط کی قطع برید دنیا سے نرالی رہی ہردم عیش و طرب لاؤبالی رہی۔ کچھ صندوق کترنکے جمع تھے نائب سے زرخطیر اُسکی قیمت لیکے حضرت نے مکا کو عنایت کیے وہ منھ دیکھتے رہے۔ لاکھوں روپے کی عمارت اُسنے اپنی بستی میں بنائی اور بارہ سر اگنج باغ کی طیاری کی جو پوشاک ایک بار زیب جسم کی پھر نہ پہنی دے ڈالی گو لاکھوں کی ہوئی۔ خوش دماغی میں تاناشاہ پر طعنہ زن ہوں تو بجا ہی کہ ممدوح میرا نازک دماغ ایسا ہی۔ ایک دن لخلخہ کی ہانڈی میں تیل پڑ گیا وہ بو موتیا کے عطر سے کم نہ تھا مگر طبیعت مکدر دماغ پریشان ہوا۔ خوشبو ساز طلب ہوئے پوچھا گیا کیا جلتا ہی۔ عرض کی موافق معمول انھوں نے باہم اثبات کیا تو میل نکلا۔ بیلے کا تیل نکلا لخلخہ ساز اس قوتِ شامہ صفائی دماغ پر خطا کے مقر ہوئے ترحم یہ تھا کہ قصور معاف ہوئے۔ مورد الطاف ہوئے مغلانیاں ہزار پانسو درماہے کی نوکر۔ گوٹے لچکے۔ بادلے اور زربفت کی کترن پاتی تھیں کہ سونے چاندی کی

اینٹیں گڑھوائی تھیں۔ خاصے والیوں نے مشک۔ عنبر۔ زعفران کے گارے سے
لونگ الائچی کے خاصے خاصے محل بنائے۔ ڈلیاں چکنی دو رخی جنپر دل پھسلے اُسکے
انبار لگائے۔ الائچی وہ کہ چھوٹی بڑی کی تمیز نہ آئے۔ شب کو جیسے ملجائے۔ ہر شے
کا صرف بے حساب رہا۔ کارندوں نے جو لکھدیا وہ لیا۔ گلوری گز بھر کی بنتی تھی۔
جہاں سے کاٹ کر کھائیے سب مصالحہ برابر پائیے۔ شہر کے تنبولی سیٹھ ہو گئے
موبے اور رگھ میں پان نہ رہے۔ گلوری جو کھلاتی وہ سرخرو کیا گیا انعام پاتی تھی۔
ایک روز پانچ توڑے اشرفی کے اور کئی ہزار کی چادر جو اُسوقت زیب دوش
تھی عنایت کی۔ اُسکی خاطر میں نہ آئی بلکہ رد کی صورت بنائی۔ گھر لٹنے پر مزے
اوڑائے ہوس نکالتی ہی۔ سونا اُچھالتی ہی۔ گھوڑے وہ کہ ادہم صبا نے ہمراہی میں بار
ٹھوکر کھائی گرد نپائی۔ وہم وخیال انسیان رفتار میں تنگ گمان تصور میں لنگ۔ رخش رستم
شبدیز خسرو بھی گرد تھا۔ ہر ایک سریع السیر جہاں گرد تھا۔ ہاتھی ایسے کہ دکھن کی جان
پیل فلک سے زیادہ رفعت وشان۔ سبک رو منجھول ایسے کہ جب چلنے پر آئیں حشرات
الارض آزار نہ پائیں۔ ہزارہا جامہ وار گراں قیمت سہلا جھول اور گرد نی کے
واسطے قطع ہو گئے کشمیر سرد ہو گئی اور ہودج وزین سونے چاندی کے اتنے بنے
کہ زمین سفید اور زرد ہو گئی جسطرف خیال آیا اُسے انتہائے کمال کو پہونچا نا۔ اس
عیش پسندی پر عشرۂ محرم میں تا اربعین دن رات رونا۔ زمین پر سونا۔ لباس آبی
یا سیاہ۔ لب پر نالہ و آہ بھولے سے مُسکرانا۔ ہزاروں روپیہ مرثیے خواں اور سادات
محتاج آب ونان کو دینا حسنات لینا۔ دوازدہ امام کی درگاہ۔ صاحب الامر علیہ السلام
کا غار بنوایا۔ لاکھوں روپیہ کا اسباب وہاں چڑھایا۔ بیٹھے بیٹھے طبیعت جو لہرائی

گنگا سے نہر منگائی چشمۂ فیض جاری ہوا۔ یادگار رہا۔ مزدور غریب نہال کار فرما صاحبان ومنال ہوئے۔ گرمی کی فصل میں گلدستوں کا چمن بنتا تھا۔ پھولوں کا شامیانہ تنتا تھا اُسکے تلے سہری گلہائے خوشبو کی بچھتی تھی۔ گرد چار حوض رکھے جاتے تھے۔ دو مرصع کار دو چینی کے پر نقش ونگار۔ عطر سے لبریز۔ بوے فتنہ خیز۔ فوارے کی جا درخت بنتے تھے۔ پھول اور کلی سے فوارہ چھٹتا تھا۔ اور چینی کے حوضوں میں درختوں پر جانور تھے اُنکی کریاں سے عطر اُچھلتا تھا ہر شام یہ سامان طیار ہوتا اور جس جگہ منظور ہوتا وہ باغ درست ہوتا۔

آخر چرخ ستمگار نے اِس صحبت کا رشک کھایا۔ ایسی بہار پر خزاں لایا۔ لکھنؤ تباہ روز روشن سیاہ ہوا۔ صدائے "انا للہ وانا الیہ راجعون" آئی۔ سلطنت خاک میں ملائی۔ طبیعت اُس صاحب افسر وتاج کی ناساز ہوئی۔ لاش گور وکفن کی محتاج رہی۔ روح اُس جان جہاں کی بہشت بریں کو بلند پرواز ہوئی ؎

سُلیماں کشتۂ زہر دغا شد　　غروب مہ بہ برج کربلا شد

وہ صدر نشین چار بالش عیش وطرب متوجہ دامنِ خاک ہوا۔ گریبان صبر چاک ہوا تیسری تاریخ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری اور ساتویں جولائی سنہ ۱۸۳۷ء روز جمعہ تین بجے یہ حادثۂ غم انجام ظہور میں آیا۔ سبحان اللہ دس برس سے زیادہ سلطنت کی۔ تمام شب گور میسر نہ ہوئی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

گذارش

جسطرح کشمیری شال مین پیوند لگانا اور رفو کرنا جوہر سمجھا جاتا ہے اسی طرح لیتھوگراف کی چھپائی مین غلطنامہ لگانا ہی ایک جوہر ہے - اسی خیال سے اس کتاب مین قصداً کچھہ غلطیان رکہی گئی ہین تاکہ اس جوہر سے یہ کتاب مبرا نہ رہے -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۹	باتا	جاتا	۳۳	۲	نازکاری	نازکاریں
۱۳	۱۴	درے	دریاے	۳۷	۱	کا	گا
۱۶	۱۰	سنہ ۱۸۶۶ء مین	سنہ ۱۸۶۶ھ	〃	۵	کرلائیں	کرالائیں
〃	〃	سنہ ۱۸۵۲ء	سنہ ۱۸۵۲ء کو	〃	۱۳	ہوا -	ہوا کہ
۱۸	۱۶	ہوا	ہو	۳۸	۹	اٹھائے	اُٹھاتے
۱۹	۱۲	دے رہے	ہو رہے	۳۹	۸	موی	ہوی
۲۰	۱۲	ابھی	بھی	۴۰	۱۲	طرح	طے
۲۴	۵	دومنفسانہ	دوستانہ	۴۱	۱	پاتا	پایا
۲۷	-	حمیدر	حیدر	〃	۵	ریاشی	زیادتی
〃	۱۱	جھکا	جھکی	〃	〃	لگا رہی	گاڑھی
〃	۱۲	ہوتا	ہوتی	۴۵	۲	اپ	آپ
۲۹	۱	سمبر	ستمبر	۴۸	۱	مکھرے	نکھڑے
۳۳	۳	کہ	کو	۵۲	۴	ایک	جھپٹے ایک

گذارش

جسطرح کشمیری شال مین پیوند لگانا اور رفو کرنا جوہر سمجھا جاتا ہے اسی طرح لیتھوگراف کی چھپائی مین غلطنامہ لگانا ہی ایک جوہر ہے۔ اسی خیال سے اس کتاب مین قصداً کچھہ غلطیان رہی گئی ہین تاکہ اس جوہر سے یہ کتاب معرا نرہے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۹	باتا	جمانا	۳۷	۲	نازکاری	نانکاریں
۱۳	۱۴	درے	دریاسے	۳۷	۱	کا	گا
۱۶	۱۰	۱۸۶۶ء مین	۱۸۶۶ھ	″	۹	کرلائش	کرلائیں
″	″	۱۸۵۲ء	۱۸۵۰ء کو	″	۱۳	ہوا۔	ہواکہ
۱۸	۱۶	ہوا	ہو	۳۸	۹	اٹھائے	اُٹھاتے
۱۹	۱۲	دے رہے	ہو رہے ہے	۳۹	۸	موی	ہوی
۲۰	۱۲	ابھی	بھی	۴۰	۱۲	طرق	طے
۲۲	۵	دومنفسانہ	دوستانہ	۴۱	۱	پایا	بابا
۲۷	-	حمیدر	حیدر	″	۵	ریاشی	ذریاتی
″	۱۱	جسکا	جسکی	″	″	گا رہی	گاڑھی
″	۱۲	ہوتا	ہوتی	۴۵	۲	اب	آپ
۲۵	۱	سمبر	ستمبر	۴۸	۱	نکھرے	نکھڑے
۳۳	۳	کہ	کو	۵۲	۴	ایک	چھیٹے ایک